تذکرۂ ریختی
مرتبہ
تمکین کاظمی

تذکرۂ ریختی

مرتبہ

مولوی سید تمکین کاظمی منشی فاضل ایم آر اے ایس

۱۹۳۰ء
۱۳۴۸ھ

(باہتمام)

سید رشید کاظمی

مطبوعہ
شمس الاسلام پریس چھتہ بازار حیدرآباد دکن

طبع اوّل (۵۰۰) جلد
قیمت:۔ ایک روپیہ...... (عہ)
ملنے کا پتہ
مکتبۂ ابراہیمیہ امداد باہمی حیدرآباد دکن

پہلے پہل جب میں نے جان صاحب کا دیوان دیکھا تو ریختی سے دلچسپی ہونے لگی مگر مشکل یہ تھی کہ اکثر اشعار میری سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ بعض محاوروں کے لئے "لغات النسا" سے لیکر "لغات الخواتین" تک کی ورق گردانی کی مگر کچھ حاصل نہ ہوا، میں دکن میں پیدا ہوا یہیں تعلیم و تربیت پائی۔ دلی اور لکھنؤ کے زنانی محاورات، بھلا کیا سمجھ میں آتے مجبوراً ان الفاظ اور محاورات اور اشعار کی ایک فہرست بنائی جو میری دانست میں حل طلب تھے اور لگا پوچھتے پھرتے مگر جو الفاظ "لغات النساء" کے لئے سید احمد دہلوی کو اور "لغات الخواتین" کے لئے اشہری کو نہ معلوم ہو سکے ہوں وہ بھلا مجھے کیا معلوم ہوتے مگر میں نے ہمت نہیں ہاری اور لگاتار کوشش کے بعد نہ صرف ان الفاظ محاورات اور اشعار کو حل کر لیا بلکہ "زنانی محاورات" کا اتنا ذخیرہ جمع کر لیا جو "لغات النسا" سے تقریباً دگنا بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے یہ محاورے کیسے معلوم ہوئے اور کیسے حل کئے میں نہیں ظاہر کر سکتا سمجھ لیجئے کہ زنگین کی طرح میں نے بھی کچھ "تماش بینی" کی اور بس!

اسی سلسلہ میں میں نے جان صاحب کے علاوہ رنگین۔ انشا۔ نازنین وغیرہ
کے کلام کا مطالعہ بھی کیا اور ان میں سے بھی اصطلاحات چن لیے چونکہ مدت تک
ریختی کا مطالعہ کرنے کی وجہ سے مجھے ریختی سے دلچسپی ہوگئی تھی اس لیے میں نے
پیش نظر تذکروں، رسالوں وغیرہ سے ریختی کلام اور شاعروں کے حالات بھی
جمع کر لیے خیال تو یہ تھا کہ ایک مستقل لغت اصطلاحات نسوان کے متعلق شائع کروں
مگر مولوی عبدالحق صاحب مہتمم مکتبۂ ابراہیمیہ نے مشورہ دیا کہ فی الحال اسی مواد کو
مرتب کر کے ایک تذکرہ ریختی کہنے والوں کا شائع کر دو لغت پھر کبھی ترتیب دے لینا
بات معقول تھی میری سمجھ میں آگئی اور میں نے منتشر مواد کو مرتب کرنا شروع کیا،
اور پھر از سرِ نو تذکروں کی ورق گردانی کر کے حالات وغیرہ کی تصحیح کی تقریباً دیڑھ سو
مختلف تذکرے اور کتابیں دیکھیں جہاں جہاں سے مواد ملا لے لیا ورنہ خاموشی
سے کتاب رکھ دی، اس طرح دو ہی تین ہفتوں میں تذکرہ مرتب ہوگیا اور کاتب کے
حوالے بھی کر دیا، مولوی عبدالحق نے پھر بھڑکایا کہ اس تذکرے کے لیے ایک
مقدمہ بھی لکھ دو تو اور اچھی چیز ہو جائیگی، میں نے کہا چلو یہ بھی سہی مگر مقدمہ لکھنا
شروع ہی کیا تھا کہ ابتداً کچھ نمونیا اور پھر تھوڑا سا ٹیفائیڈ میرے ساتھ ہوگیا کاتب نے
تذکرے کی کتابت ختم کر کے مقدمے کے مسودے کا مطالبہ کیا مجبوراً اسی عالم بخار
میں مقدمہ لکھا ابھی وہ ختم نہ ہوا تھا کہ اتفاقاً اس مسودے کو نواب نصیر الدین خاں
بہادر ایم لیے نے ملاحظہ فرمایا اور بعض خاص خاص باتوں کو پھیلانے اور ان کے
متعلق بحث کرنے کا مشورہ بھی دیا میں نے اسی حالت میں اُن باتوں کو بھی لے لیا

اور جوں توں ہو سکا مقدمہ ختم کر کے کاتب کے حوالے کردیا۔ یہ ہے اس تذکرے کی تاریخ
شان نزول، مقدمہ کے متعلق چونکہ نواب صاحب موصوف نے کئی بار تبادلۂ خیال فرمایا
اور باوجود مصروفیت کے اپنے قیمتی وقت کے کئی گھنٹے ضائع فرمائے اس لئے میں نواب صاحب
کا بے انتہا رہین منت ہوں"۔

چونکہ اس تذکرے کو شائع کرنے کی تحریک عبدالحق صاحب نے کی ہے اس لئے
اگر علم برداران شرم و حیا خاکسار "جامع اوراق" پر کبھی "تبرا" فرمانے
لگیں تو براہ کرم "محرک" کا نام بھی لے لیں۔

اس کی کتابت شفیع الدین صاحب کوہیری نے بروقت کی ہے اور
طباعت شمس الاسلام پریس حیدرآباد میں ہوئی ہے جس کے منیجر عبدالرحمن
خان صاحب نے خاصی دلچسپی لی اور وعدہ پر کام ختم کیا، پروف کی صحت
میں استاذی مولوی محمد سردار علی صاحب مدیر رسالۂ تجلی نے بھی بڑے شوق
سے مدد دی ہے جس کے لئے ان سب حضرات کا مشکور ہوں خدا کرے کہ یہ
حضرات میری اور تصانیف کی اشاعت میں بھی اسی طرح میرا ہاتھ بٹائیں!

السید تمکین الکاظمی

۲۲/ جنوری سنہ ۱۹۳ عیسوی
کوٹلہ عالیجاہ حیدرآباد دکن

بنامِ شاہدِ نازک خیالاں
عزیزِ خاطرِ آشفتہ حالاں

ریختی کی ایجاد کا سہرا تذکرہ نویسوں نے رنگین اور انشا کے سر باندھنے کی کوشش کی ہے بعضوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے اور بعضوں نے نہ جاننے کی وجہ سے چنانچہ مولانا آزاد نے چونکہ رنگین و انشا سے پہلے کے ریختی کہنے والوں کا کلام دیکھا نہیں تھا اس لئے اگر انہوں نے انہیں دونوں کے سر اس سہرے کو باندھ دیا تو مجبوری ہے ان پر کوئی حرف نہیں آسکتا۔ اسی طرح صابر وغیرہ بھی مجبور ہیں۔

سب سے پہلے "خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم" کے مولف نے رحیم معاصر ولی کو ریختی کا مخترع قرار دیا ہے[1] اس کے بعد مولانا عبد الحی مرحوم نے گل رعنا میں صوفی ملکاپوری کے حوالے سے آزاد کے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے کہ رنگین اور انشا ریختی کے موجد ہیں ہاشمی کو اس کا موجد قرار دیا ہے اور پھر ان کے بعد خاکی کو ریختی گو ٹھہرایا ہے[2]۔

۱؎ دیکھو شعر الہند جلد دوم ص۴۳ ۔ ۲؎ دیکھو گل رعنا ص۲۳

مگر باوجود اس کے مولوی عبد السلام ندوی رنگین ہی کو موجد قرار دیتے ہیں ہم نے سطور بالا میں جن تذکروں کا حوالہ دیا ہے اُن کے الفاظ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"المختصر ان کے بعد انشاء اللہ خاں و بہادر مسمی بہ پنڈت راجہ رام و رنگین مرحوم و جان صاحب و نازنین اور عیاش و ناز اور او باش موجود وغیرہ نے روز بروز اس کو زینت بخشی لیکن میرے نزدیک امیر خسرو کے زمانے سے لیکر قدماء کے دور تک کے جو اشعار ان تذکرہ نویسوں نے نقل کئے ہیں اُن کو ریختی نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ ہندی شاعری کے طرز روش پر کہے گئے ہیں۔ جس میں عورت کو عاشق اور مرد کو معشوق قرار دیا گیا ہے نواب امیر خاں کے اشعار کا کوئی نمونہ موجود نہیں ہے۔ اس لئے موجودہ حالت میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اول اول سعادت یار خاں نے ریختی کو ایجاد کیا اور انہیں نے اس کو ترقی بھی دی۔"

(شعر الہند جلد دوم صفحہ ۸۳)

چنانچہ ایک مدت تک ہمارا بھی یہی خیال تھا مگر موجودہ مواد نے ہمیں اس خیال پر قائم رہنے نہ دیا یقین ہے کہ اور تذکرہ نویس بھی اپنے خیالات بدلنے میں اس مواد سے مدد لینگے۔

اس وقت ہمارے پیش نظر جو قدیم ریختی ہے وہ سید شاہ ہاشم کے مریدہ میراں ہاشمی کا کلام ہے۔ یہ بزرگ بیجاپور کے متوطن علی عادلشاہ کے درباری شاعر تھے سنہ ۱۰۹۵ھ میں انتقال کیا اور منجملہ اور تصنیفوں کے

۱؎ - دیکھو سالنامہ قوس قزح ۱۹۲۴ء مضمون ریختی اور رنگین ۔

ایک مستقل ریختی کا دیوان بھی چھوڑ گئے جس کا ایک نسخہ مولوی آغا حیدر حسن ایم۔ آر۔ اے۔ ایس (لندن) پروفیسر نظام کالج کے کتب خانہ میں موجود ہے ۔ ڈاکٹر سید غلام محی الدین قادری ایم، اے، پی ایچ، ڈی، لکھتے ہیں کہ ۔

"دوسرے بہت سے خیالوں کی طرح اب یہ خیال بھی غلط ہو گیا کہ"
"ریختی کی ابتدا شمال ہی میں کی گئی۔ ہاشمی کی ریختی اگرچہ اس"
"نوع کی شاعری کی ابتدائی کوشش ہے لیکن اس قدر"
"اعلیٰ درجہ کی ہے کہ کوئی اس کو پہلی کوشش نہیں سمجھ"
"سکتا اس کے ذریعہ سے قدیم دکن کی عورتوں کی زبان"
"محفوظ کرلی گئی ہے"

(اردو شہ پارے جلد اول صفحہ ۲۵، ۳۶)

ہاشمی نے بالکل دکن کے نسوانی روزمرہ میں ریختی کہی ہے ۔

اُو جس دن گول کنڈہ میں گئی ہو یاد ہے باتاں
ہمیں تم مل کو بیٹھے تھے سکھی جس دن تلارے میں

مجھے پکڑے ہیں کی چھوڑ دو اُو دیکھو لٹک نا رونگی
خدا کی سوں میں ہنستی ہوں بڑی لوکو پکارونگی

سجن آویں تو پردے کے نکل کر بھار بیٹھوں گی
بہانا کر کے موتیاں کا پروتی ہار بیٹھوں گی

اٹھوں یاں آؤ کہینگے تو کہونگی کام کرتی ہوں
اٹھلتی اور ٹہلتی جب گھڑی دو چار بیٹھوں گی

ہاشمی کے بعد اشرف اور رحیم ساحرن ولی کی ریختیاں نظر آتی ہیں۔
گو ان دونوں نے ریختی کے دیوان مکمل نہیں کئے مگر بعض شعر ان تک
کے ضرور پائے جاتے ہیں۔ ولی کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ مؤلف
فرہنگ آصفیہ نے ۱۱۰۱ھ میں ولی کو ملک عدم کی طرف چلتا کیا ہے۔
آصفی ملکاپوری نے اور مولوی نصیر الدین ہاشمی نے ۱۱۵۵ھ تک
اُسے زندگی کے جھمیلوں میں پھنسایا ہے بہرحال یہ یقین کے ساتھ کہا
جاسکتا ہے کہ ولی نے ۱۱۰۱ھ سے ۱۱۵۵ھ تک کسی ایک سنہ میں
وفات پائی۔ اشرف اور رحیم دونوں ولی کے معاصر تھے اور
انہیں سنین میں موجود ہوں گے۔ اشرف کا صرف ایک ریختی شعر ملتا ہے۔

پیا بن ہیر نیں بیراگ بھایا ہے جو ہونا ہو سو ہو جائے
بھبوت اب جوگیوں کا رنگ لایا ہے جو ہونا ہو سو ہو جائے

رحیم کے بھی صرف چار پانچ شعر ملتے ہیں۔

لاری ناوال ہمیں اپنے سجن کو کیوں رٹھایا ہے
رٹھا کر پیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہے

بہت کیا تنگی سیری نصیحتاں کہتی ہوں
سکھی کو رات سوہن کہ پیارے کو جو بھایا ہے

سنہ ۱۱۷۵ھ میں لچھمی نرائن شفیق نے چمنستان شعرا ترتیب دی ہے اور انہوں نے کسی سید یحییٰ مخاطب بہ نوازش علیخاں منصبدار برہان پوری متخلص بہ عاشق کا تذکرہ کیا ہے، ان کا رنگ بھی ریختی سے مشابہ ہے۔

سلونے سجن تیرے کوچے بیچ — شب و روز عشاق کا شور ہے

مگر افسوس ہے کہ ان کے بھی زیادہ اشعار نہ مل سکے۔

معاصرین ولی ہی میں ایک بزرگ سید محمد قادری تھے جن کا دیوان ان کی زندگی ہی میں سنہ ۱۱۸۳ھ میں مرتب ہو گیا تھا جس میں ایک ریختی غزل بھی موجود ہے، یہ وہی دیوان ہے جس کا تذکرہ مولوی عبدالحی مرحوم نے گل رعنا میں کیا ہے اور جو نواب صدر یار جنگ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

ان حضرت نے تصوف آمیز ریختی بڑے مزے سے کہی ہے۔

پیا بن اے سہیلی انجھوں سے مکھ دھوتی ہوں
کبھی میں مقنع گھر اندھارا دیکھ روتی ہوں
رہوں میں کب تلک جھرتی جلا کر دل کتیں گرتی
کہ اب غم کے پہاڑوں پر بھلا ہو سر پٹوتی ہوں

نواب سکندر جاہ بہادر کے عہد حکومت میں سنہ ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء سے ۱۲۴۵ھ / ۱۸۲۹ء تک نواب بدرالدین خاں بہادر امیر جنگ امیر الدولہ متخلص لائق تھے جن کا ریختی کا دیوان آصفیہ لائبریری میں موجود ہے۔ مگر افسوس کہ

پھر یہ کیوں کرتی ہو رنگین کا مذکور دوا

اسی زمانہ میں لائق کے علاوہ محمد صدیق قیس بھی ریختی گو تھے جن کا دیوان رنگین کے دیوان سے زیادہ ضخیم کتب خانہ آصفیہ میں (دواوین ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۵) موجود ہے قیس نے سنہ ۱۲۳۳ھ میں وفات پائی ہے۔

قیس کی ریختیاں بالکل رنگین کی سی ہیں، قیس اور رنگین کی ریختیوں کا مطالعہ کرنے والا صرف دو نتیجوں پر پہنچ سکتا ہے کہ قیس نے رنگین کے دیوان کا جواب کہا ہے یا۔ رنگین نے قیس کے دیوان کا! رنگین کی ریختیوں کا جو دیوان انڈیا آفس میں موجود ہے اُس کا سنہ تصنیف ۱۲۱۹ھ[1] ہے، اور قیس نے ۱۲۳۳ھ میں انتقال کیا ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ قیس کی ریختیوں کا دیوان ۱۲۳۳ھ سے قبل مرتب ہو چکا تھا اس طرح دیوان قیس دیوان رنگین سے انتیس سال قبل مرتب ہو چکا ہے۔ اس لئے یہ کہنا بیجا ہوگا کہ قیس نے رنگین کی ریختیوں کا جواب کہا ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قیس کا دیوان رنگین کے پیش نظر رہا ہے مگر ہماری رائے میں یہ بھی درست نہیں قیس نے اس قدر غیر معمولی شہرت حاصل نہیں کی تھی جو اُن کا دیوان۔ حیدرآباد سے باہر نکل کر رنگین تک پہونچتا۔ ہماری رائے میں رنگین نے الگ کام کیا ہے اور قیس نے جدا ریختی کہی ہے۔ ہمارے اس خیال کی تائید رنگین کے دیوان ریختی کے دیباچے سے بھی ہوتی ہے وہ

---

[1] - دیکھو فہرست ہندوستانی مخطوطات مرتبہ بلوم ہارٹ (رنگین)

لکھتے ہیں کہ

"بعد حمد رب العالمین اور نعت سید المرسلین خاکپائے شعرا"
"نکتہ چین سعادت یار خاں رنگین عرض کرتا ہے کہ بیچ ایام"
"جوانی کے بہ تامہ سیاہ اکثر گاہ بیگاہ عرس شیطانی کہ عبارت"
"جس سے تماش بینی خانگیوں کی ہے کرتا تھا اور اس قوم کی"
"ہر ایک فصیح کی تقریر پر دھیان دھرتا تھا۔ ہر گاہ چند مدت"
"جو اس وضع پر اوقات بسر ہوئی تو اس عاصی کو ان کی اصطلاح"
"اور محاوروں سے بہت سی خبر ہوئی پس واسطے انہیں"
"اشخاص کے عام بلکہ خاص بولیوں کو ان کی زبان میں اس"
"بے زبان ہیچمدان نے موزوں کر کے ترتیب دیا۔"

(دیباچۂ دیوان ریختی رنگین مطبوعہ نظامی پریس بدایوں)

علاوہ ازیں اپنی ریختیوں میں اکثر جگہ ریختی کی ایجاد کا دعا کیا ہے

چنانچہ

ریختی کہنی اجی رنگین کا یہ ایجاد ہے منہ چڑھاتا ہے سو انشا جیا کس واسطے

اور

ملیں ہے ریختی ایجاد رنگین اسی باعث کہا کرتا تھا اکثر
سو انشا بھی اب کہنے لگا ہے چہ خوش اس چیونٹی کے بھی ہوئے پر

کہکر اپنے دعوی کو اور تقویت دی ہے۔
قیس کے دیوان میں ریختیوں کے آغاز پر،

"منتخب دیوان ریختی قیس محاورہ بیگمات محل بادشاہی شاہجہاں آباد"
لکھا ہوا ہے۔ گویا ریختی قیس کی نظر میں محلات شاہی شاہجہاں آباد کی شوخ چشم
بیگمات کا محاورہ تھی اور رنگین عرس شیطانی میں جاکر خانگیوں کی تماشبینی
کرکے ریختی لکھتے ہیں۔ گو دونوں کی رسائی ایک ہی نقطہ پر ہوتی ہے اور ایک
ہی جگہ سے چل کر ایک ہی جگہ ملتے ہیں مگر دونوں کا خیال جدا جدا ہے۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے اکثر ردیفوں میں رنگین اور قیس نے مل کر
کہا ہے بعض جگہ ردیف مشترک ہے بعض جگہ قافیہ اور بعض جگہ دونوں
خیالات تو عموماً لڑتے گئے ہیں ملاحظہ ہو۔

قیس

آنچ کیوں موئی لگائی اری اداں جو دوا
جھک گئی بوجھ سے موتی کے ترے کان دوا
تجھ پہ میں نہ مٹی تو اس کرتی کی لیکن اتنا
تنگ ہوتا ہی گلے میں سے گریبان دوا

تیری گود کی میں تو کھیلی ہوئی ہوں
میری بات کا مت برا مان آجا
ارے قیس کہیں تو جاتی ہو گھر کو
میرے ساتھ چل تو بھی مہمان آجا

رنگین

تجھ پہ طوفان نہ لے جاؤں کا چل دور دوا
جھوٹ سی منہ کا ترے جائیگا اڑ نور دوا
پک گیا ہے تیری ہاتھوں سے کلیجہ میرا
تجھکو دو ان حیلوں کو گر ہو میرا مقدور دوا

نیند آتی نہیں کمبخت دوائی آجا
اری بیٹی کوئی کہہ آج کہانی آجا
بال باندھے کے جو ڈوری سے لئے مرلی نے
شکل لگتی ہے تری آج درانی آجا

غرض دیکھ کر تو بھی خوش ہو گی دل میں
عجب طور کا ہو وہ انساں آ گیا

غم ہجر نگیں کو نہ میرا لیو ہیں اسکے پیچھے
سفت برباد ہوئی میری جوانی آ گیا

بولا دے ایسا طرحدار جوتا
جھالا پور کا کوئی دھواں دھار جوتا

تجھے چاہیئے ہے دھواں دھار جوتا
کوئی لادے اتنا طرحدار جوتا

رات کوٹھے پہ تیری دیکھ لی چوری انا
کالی اوڑھنی تھی چیڑھی نیچے تھی گوری انا
لاڈ بازار کو جاتی ہے تو صدقے تیرے
بھول مت یاد سے لے آ میری ڈوری انا

رات باتوں میں بہار تو نے گزاری انا
صدقے تیرے کسی ڈھب سے لاری انا
آہ آہ آنسو لاتی ہے مجھے اس کی حیا
روز و شب ہنستی ہیں اشک آنکھوں سے جاری انا

کاہے کو پہنو گی باجی میں تمہاری انگیا
ایک سے ایک میرے پاس ہے کچاری انگیا
جسکی چڑیا کا وہ عالم تھا کہ اب اڑ جائے
مرے باجی سے جو کل شرط میں ہاری انگیا
ٹوکیاں ڈھیلی ہیں اور تنگ ہے بہاؤں میں مروڑا
اس طرح کوئی بھی سیتا ہے گنواری انگیا

کل جو سلائی تو نے سہی دیکھ کے مروڑی انگیا
ہو گئی تنگ تہ بہاؤن سے نگوڑی انگیا
ٹھیک کچھ گات پہ یہ نہیں لی سلائی
تنگ اس سے بھی ذرا سمجھو تھوڑی انگیا
ٹوکیاں اور بہاؤ ہوئی سب تار بتار
کچ کچا کر کے جو تنکیں نے نچوڑی انگیا

ایسا تھو تھل میں کوئی دیکھ لے تجھے

ہمسائی ہر یہ وقت پڑا ہو کہ ٹس ٹن

باندی کنارے بیٹھ کے دھولا ازار بند

اسکے کبھی ہو لینگے دوگانا وہ طرحدار اصیل
نوجواں پتلی سی گوری سی دھولے دار اصیل
اٹھنا مل کے نہا آتی ہے بو تجھ میں سڑی
کتنی گندی ہے اری دور ہو مردار اصیل

بن بن کے بیٹھی ہے بچاری ازار بند

تو خریدار کی میرے ہے خریدار اصیل
مارے گردن تجھے لیکر کوئی تلوار اصیل
میری چنیا سی پہ ہے ہٹ کی بکا کر ما ما
میں نے یہ بات کہی تجھکو ہے سو بار اصیل

کیا بنالائی ہے منہیارن سہاتی چوڑیاں
میں تو پہنونگی کبھی یہ آسمانی چوڑیاں
بڑھ گئیں دو چوڑیاں تو پا گئیں کڑھتی ہے کیوں
پہن لے چل ہاتھ ڈھیلا ہو جانی چوڑیاں
قیس پر کر تو تھی فرمائش کہ یوں چوڑا بنا
سبز سالو اور نہ اودی آسمانی چوڑیاں
آگے پیچھے عاشق و معشوق کو گوٹیں لگا
دہار چھیلا دہار کے کل سہیں دہانی چوڑیاں

کسکی ہے بختاوری پہنے کنواری چوڑیاں
رائی مینا کی جیا مجھ کو منہیاری چوڑیاں
ٹھہری جبتک میں لگاؤں تب تلک اے منہیاری تو
ڈھاک کے چوڑا قرینے سی لگا رہی چوڑیاں
جھوٹا چوڑا پہنوں میں اللہ یہ جھوٹی بات ہے
سچے بندوں کی منہیاری مجھکو بھاری چوڑیاں
اب ہوس باقی نہیں رنگیں ہیں لا دی بارہا
پہنیاں سب رنگ کی ہیں باری باری چوڑیاں

بخشنے والا ہے صاحب میرا او پردا لا
یہ تو کہتی نہیں میں نیک ہوں یا بدکار ہوں

یہ بولتی ہوں بول ترا خاک چاٹ کر
گوٹیاں کی طرح جھاڑو کی تیلی نہیں ہوں میں

کیا جانے کیا ہو گی جوانی میں یہ آفت
کوسا کبھی میری ایک دھواں دھار ہے گوئیاں

اب تجھ سے خدا سمجھے تو ہے زہر کی اک گانٹھ
تجھ پہ کہیں بجلی پڑے درگاہ کی گوئیاں

راحت افزا سے یہ کہیو اجی گلشن لو لو
ہاتھ دھونے کو مرے لائیو بیسن لو لو
کیا دھواں دھار تھی پرکالۂ آتش اف ری
آگ لینے جو وہ آئی تھی پڑوسن لو لو
تکیہ چوں چوں کا تو رانوں کے تلے دھر دینا
بیٹھے مسند پہ جب آ کر میری سمدھن لو لو
لی دوگانا جو کہیں رات مسی کا صافہ
بن گیا پھول سمٹ غنچۂ سوسن لو لو
گھس پڑے وہیں کمر کھتی ہے رانیں اکڑیں
کیا مری شرح لیا قیس نے آسن لو لو

یہ بچپنے سے ہی اپنی عادت کہ جسکی ہوتی ہے چاہ لو لو
پھر اس سے کرتی ہے اپنی مقدور بھر آپ اپنی نباہ لو لو
کسی سے آگاہ میں کہاں تھی کیا کہو آنکھوں میں تیری ملٹے
نہ اس میں تقصیر جی کی ہرگز نہ اس میں دل کا گناہ لو لو
جو ٹر کے باجی ہے میں نے ہو لی تو مجھ کو اب ہیں ملا ہو کیسے
نہیں ہے باور تو اس سے پوچھو جو ہے میرا گواہ لو لو
دوا کی کھٹی ہے تہ نیچا نہیں ہے یا تو نہیں اسکی بھدرک
یہ نہیں وہ بکری ہے مجھ سے ہر دم تکیہ تک مانگوں پناہ لو لو
کسی سے وہ جا کو کہدو قبیح شالی سے اسکی لا دو
غضب ہے نکلیں شب انتا آیا پڑی ہیں تکتی ہو نئی راہ لو لو

مدیر تو جوانی کی ہے جو جو رزنا خی
بھرتی نہیں نظروں میں تیری حور زنا خی

تو اور بھی کر پیار گلے میرے چمٹ جا
طعنے مجھے اب دیتے ہیں سب لوگ زنا خی

کیا میں کروں گی لیکے تیری ہلکی اوڑھنی
لا دے دو وہ جھمکو جھلا جھل کی اوڑھنی

ہیں وہ تو اوڑھنے کی نہیں کل کی اوڑھنی
باجی مجھے لے دو ذرا جھلا جھل کی اوڑھنی

چلنے کا اُس پہ کام تھا کیا خوب واچھڑے
کوٹھے پہ جو لٹکتی تھی وہ کل کی اوڑھنی
شعلہ سا ایک آنکھوں میں میری چمک گیا
سر پر پھرا نکو وہ جو کہیں ڈھلکی اوڑھنی

بھاری بنت منگا دی کہ ٹکین لگاؤں میں
سر پر سے ٹھہرتی نہیں ہلکی اوڑھنی
پہونچی جھپک کے کمر کو ارے لوگو دوڑیو
کولے تلک جو سر سے میری ہلکی اوڑھنی

تو نے چڑیا وہ بنا لی ہے کہ بس بول اُٹھے
تیری ہاتھوں کو میں قربان گئی مغلانی

پھر لیے ربط ہے اُڑ جائے یہ چڑیا کمبخت
تس پہ دوری ہے عجب ڈھب کی کسی مغلانی

دوگانا تو کیا ہے کسو کے کبھی آ گئے
اری قیس کا کر نہ نکور باندی
قسم ہے علی جی کی کہتی ہوں تجھے
کروں گی تیری ہڈیاں چور باندی

بڑبڑاتی ہے تو کیوں منہ کو بھلا کر ہر بار
ستیاناس تیرا جائیو اے ری باندی
پھوٹ جائیں کہیں یہ تیرا ہوائی دیدہ
آفتابہ لے کو میرے ہاتھ سے لے ری باندی

رنگین کے علاوہ انشا کی ریختیوں اور قیس کی ریختیوں کی اکثر ردیفیں مل گئی ہیں ملاحظہ ہو:—

قیس

نل بھر گئے پیڑو میں میرے درد ہی بیٹھا
مت چھیڑ میں ہوں جان سی حیران دوگانا
کیا بولیگا خو جہ وہ سوا ہیٹش بریدہ
آنے دے میں کیا کھولتی ہوں کان دوگانا

انشا

تو جیسے کہیں اور ہو گھر گھوج سٹے لوگ
سب تاڑ گئی ہے یہ برا شہر دوگانا
چھتوں نہیں بس کہتی یاد پڑے ہے
دلی کی وہی چہل وہی لہر دوگانا

چونکہ رنگین اور انشا نے ایک ہی قافیہ اور ردیف میں ریختیاں کہیں ہیں اس لئے قیس کی ان ریختیوں کا مقابلہ جو قبل ازیں رنگین کے مقابلہ میں لکھی گئی ہیں انشا کی ریختیوں سے کیا جاسکتا ہے۔

ریختی کی مذمت سے ہر تذکرہ بھرا ہوا ملیگا سب سے آخر اور حالیہ تذکرہ میں جو ہسٹری آف اردو لٹریچر کے نام سے شائع ہوا ہے۔ ریختی کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

"یہ حسن پرستی اور شہوت پرستی بعد کو ایک خاص طرز میں ظاہر ہوئی جسکا نام ریختی یعنی عورت کی زبان رکھا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ ریختہ سے نکلا ہے اور اس کا مونث ہے عورتوں کی زبان بالذات کوئی مذموم بات نہیں مگر خرابی یہ ہے کہ اس قسم کے اشعار جذبات نفسانی کو برانگیختہ کرنے کی غرض سے کہے جاتے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ نہایت فحش اور مخرب اخلاق

اور شرفا کے کانوں تک کو ناگوار ہوتے تھے ایسی کل چیزیں جو عورتوں کے
پڑھانے کے قابل نہیں ہوتیں غیر مہذب اور فحش ہوتی ہیں" الخ
(ص ۲۸ و ۲۹)

"ریختی کے طرز میں ایک قسم کی دلچسپی ضرور ہے مگر خرابی یہ ہے کہ اس میں
غیر مہذب اور فحش آمیز اشارے ہوتے ہیں۔ ناسخ کی رائے ہے کہ اس طرز
کے موجد میاں رنگین تھے اور رنگین نے خود بھی یہ دعوی اپنی نسبت اپنے دیوان
کے دیباچے میں کیا ہے۔ مگر غور کیا جائے تو یہ طرز قدیم شعراء علی الخصوص
شعراء دکن میں بھی موجود تھی مثلاً مولانا ہاشمی بیجاپوری جو دکن کے ایک مشہور
شاعر تھے اور مولانا قادری جو ولی کے ہمعصر تھے اور رحمن کا تخلص خاکی
تھا اور رحمن کا دیوان ۱۱۸۳ھ میں مرتب ہوا ہے ان لوگوں کے یہاں بھی
ریختی کا پتہ چلتا ہے مگر اتنا فرق ضرور ہے کہ ان قدیم شاعروں کی ریختی
ایک خاص قسم کی تھی جس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ ان کے کلام میں بھاشا کا
زیادہ اثر ہے لہذا اسی کے تتبع میں اظہار عشق عورت کی جانب سے
اور اسی کے الفاظ میں کرتے ہیں بخلاف معمولی اردو کے جس میں اظہار عشق
عموماً مرد کی جانب سے ہوتا ہے اسی وجہ سے اس قسم کی ریختی میں
فحش اور ابتذال مطلق نہیں ہوتا برخلاف انشا و رنگین کی طرز کے جن کا
دار و مدار عیاشی اور شہوت پرستی پر ہے ان کی غرض عموماً یہ ہوتی ہے
کہ ایسا کلام پڑھ کر لوگوں کو ہنسی آئے یا ان کے نفسانی جذبات میں ہیجان
پیدا ہو اسی وجہ سے اس قسم کی نظموں میں خلوص اور بلند خیالی یہاں تک

کہ بے مزہ اور سادہ مذاق بھی نہیں ہوتا۔"

"یہ بات ضرور قابل غور ہے کہ ہمارے ملک میں عورتوں اور مردوں کی علیحدہ علیحدہ زبان ہونے کے اسباب کیا ہیں۔ ان دونوں کی زبانوں میں صرف الفاظ و محاورات کا فرق ہوتا ہے جس میں بعض الفاظ و محاورے مستورات کے لئے مخصوص ہیں جن کو عام طور پر مرد نہیں استعمال کرتے۔ ہمارے نزدیک اس خصوصیت اور فرق کی بڑی وجہ پردہ ہے جس سے اس ملک کی شریف گھرانے کی عورتیں غیر مردوں کے سامنے نہیں آسکتیں اکثر پرانے خیال کے لوگوں میں تو پردے کے بارے میں یہانتک سختی ہے کہ عورتیں اپنے غیر محرم رشتہ داروں تک سے پردہ کرلیتی ہیں پس ایسی قید کی صورت میں لازم ہوا کہ عورتیں اپنے واسطے کچھ خاص اصطلاحیں اور محاورے مخصوص کرلیں مثلاً مرد چونکہ آزاد تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ ہوتے ہیں لہذا وہ دوسری زبان کے الفاظ بے تکلف بولنے لگتے ہیں۔ عورتیں برعکس اس کے اپنے پردے اور عدم تعلیم کی وجہ سے اپنی خالص زبان کی پابند رہتی ہیں۔ اور اس کی صحت اور اصلیت پر رہنے کی حفاظت کرتی رہتی ہیں علاوہ چونکہ عورتوں کے مزاج میں فطرتاً قدامت پسندی اور تغیر ناآشنائی ہوتی ہے اس وجہ سے دوسری زبانوں کے ثقیل اور غریب الفاظ ان کو پسند نہیں آسکتے مزید برآں ان میں فطرتاً شرم و حیا اور ضعیف الاعتقادی ہوتی ہے اس لئے ایسے الفاظ ان کو ایک رمز و کنایہ سے اور خاص طریقے سے وضع کرنا پڑتے ہیں جن کے نام لیتے ہیں

ان کو شرم و حیا مانع ہو یا وہم و خوف دامنگیر ہو۔ یہ تحقیق اصطلاحات و
محاورات ظاہر ہے کہ ان گھرانوں میں زیادہ ہے جہاں پردہ کی زیادہ
سختی سے پابندی ہوتی ہے اسی فرق مذکورہ بالا سے انشا اور رنگین
نے اپنے خاص اغراض کے لئے فائدہ اٹھایا اور اپنی نو ایجاد طرز کا دار و مدار
اسی مخصوص عورتوں کی زبان اور بے عیاشی اور بد اخلاقی پر رکھا۔"
"ریختی اس زمانہ کی بگڑی ہوئی سوسائٹی کا بہترین آئینہ ہے جبکہ
لکھنؤ کے عیش پسند فرمانرواؤں اور امراء کی محفلوں میں عیش و عشرت
اور حسن پرستی کا بازار گرم تھا۔ اور بازاری عورتوں کا عشق داخل فیشن
ہو گیا تھا۔ شہر کے نوجوان امراء اس قسم کی بے اعتدالیوں سے متنبہ
ہونے کی بجائے ان کو کھلم کھلا اور بلا خوف لوم لائم عمل میں لاتے
تھے ظاہر ہے کہ اس زمانہ کی نظمیں ان کے جذبات اور ان کے مذاق کا
آئینہ ہونا چاہیئے۔ مگر حقیقت میں اس قسم کی ناشائستہ اور غیر مہذب نظمیں
نہایت ہی مخرب اخلاق اور نوجوانوں کے حق میں سم قاتل ہیں چنانچہ
خود انشا نے بھی اس قسم کے فواحش کے برے اثر کا ذکر ایک جگہ اپنی
"دریائے لطافت" میں کیا ہے۔ بہر طور یہ طرز اس زمانہ میں بہت مقبول
تھی اور اس کی ترقی کی معراج میر یار علی المتخلص بہ جان صاحب کے
زمانہ میں ہوئی . . . .

غرضیکہ یہ صنف شاعری اب مقبول نہیں ہے اور مہذب محفلوں
میں اس کو کوئی پسند نہیں کرتا البتہ مذاق و ظرافت کے وہ اشعار جو دائرہ

تہذیب سے خارج ہوں عام طریقے سے پسند کیے جاتے ہیں"
(تاریخ ادب اردو ص ۲۳۳ تا ۲۳۴)

ریختی کے متعلق ہندوستان کے مشہور ادیب مولانا شرر فرماتے ہیں -

"لیکن ریختی کا فن باوجود غیر مہذب ہونے کے دلچسپ ہے . . . . .
. . . . . مردوں اور عورتوں کے محاوروں اور لہجے میں تھوڑا بہت فرق ہر زبان میں ہوا کرتا ہے مگر اتنا نہیں جتنا ہمیں اپنی زبان میں نظر آتا ہے - فارسی عربی سب زبانوں میں یہ امتیاز موجود ہے مگر اردو اس خصوصیت میں بڑھی ہوئی ہے فارسی اور عربی کا پیرا نا مذاق تھا کہ عورتیں شعر کہتیں تو اپنی زبان میں اور مرد کبھی عورتوں کی زبان سے کوئی خیال ادا کرتے تو زبان میں لطف پیدا کرنے کے لیئے ان کی زبان اختیار کر لیتے ایسی حال انگریزی کا ہے - اردو شاعری ہمیشہ سے صرف مردوں کی زبان میں رہی یہاں تک کہ اس میں عورتیں کہتیں بھی تو مرد بن کر کہتی ہیں مردوں ہی کی زبان اختیار کرتی ہیں اور اپنے لیئے وہی ضمیریں تک استعمال کرتی ہیں اگر شاعر کا نام نہ معلوم ہو تو کوئی نہیں پہچان سکتا کہ یہ کسی مرد کا کلام ہے یا عورت کا؟

"اردو شاعری کا تیسرا یا چوتھا ہی دور تھا کہ شوخ طبع جوانوں میں خیال پیدا ہوا کہ ریختہ کی طرح ایک ریختی ایجاد کی جائے . . . .

..... ریختی اردو کا ایک فن ہو گیا جس کی ایجاد گو ایک دہلی ہی کے شاعر سے ہوئی
تھی مگر لکھنؤ میں ہوئی اور یہیں اُسے فروغ ہوا ....
...... ریختی میں اگر فحش اور بدکاری کے مذاق
سے پرہیز کر کے پاکدامنی کے جذبات اختیار کئے جاتے تو یہ فن ایک حد تک قابل
ترقی ہوتا۔ مگر خرابی یہ ہوئی کہ اس کی بنیاد ہی بدکاری کے جذبات اور
بے عصمتی کے خیالات پر تھی اس لئے ریختی گویوں کا قدم ہمیشہ جادۂ اعتدال
سے باہر ہو گیا۔ اور اس نے زبان کو چاہے کسی حد تک فائدہ پہنچایا ہو مگر اخلاق
کو نقصان پہنچایا۔"

(مضامین شرر "مشرقی تمدن کا آخری نمونہ" صفحہ ۹۱ تا ۹۲)

مرزا قادر بخش صابر اپنے تذکرہ گلستان سخن میں رنگین جان اور نازنین
کی ریختیوں کے مطالعہ کے بعد لکھتے ہیں ۔

"صرف عورتوں کی گفتگو اور ان معاملوں کے سوا کہ مرتبہ شناسان
سخن کے نزدیک فضول اور نازک دماغوں کے آگے نامعقول
ہیں اور کچھ نہیں اور نامعقولیت سے مراد یہ ہے کہ کلام فحش آمیز
یا کلمات شہوت انگیز سے زبان قلم کو آلودہ کیا ہے تو اس
نظم کے گوش و گردن کا پیرایہ بلکہ اس طرز کا خمیر مایہ ہے مراد اس
سے یہ ہے کہ وہ باتیں جو عورتوں کو انتظام خانہ داری میں
پیش آتی رہتی ہیں مثلاً کسی بہن بھیلی کے گھر مہمان جانا
یا کسی بھائی بند کا اپنے گھر بلانا خصم سے تو تم چھپا کے

گھڑوانے کی تمنا اور سرتی انگیار نگوانے کا تقاضہ اس طرح سے
خرچ کیے ہیں کہ ان سے کچھ لطف یا نکتہ کہ شاعر خوش مذاق
کو لذت دے حاصل نہیں ہوتا اور مرزائے مرزا منشی نے
معاملات کو اس لطافت سے ادا کیا ہے کہ سامع کا جی
نکل جائے اور سننے والا کلیجہ پکڑ کے بیٹھ جائے۔
(گلستان سخن صفحہ ۴۴)

ان شعرا نے جو ریختہ کہتے تھے اگر ریختی کی برائی کی تو برا نہیں کیا اس لیئے
کہ یہ ان کے مسلک سے جدا چیز تھی مگر مشکل یہ ہے کہ ان لوگوں نے بھی
ریختی کی برائی جی بھر کر کی ہے جو ریختہ کہتے تھے نہ فارسی . . . .
. . . . ریختی پر جو سب سے بڑا الزام لگایا جاتا ہے وہ یہ
ہے کہ اس میں فحش پن اور شہوت انگیز باتیں زیادہ ہیں۔ میں حیران ہوں کہ
ان دونوں چیزوں کی موجودگی کے باوجود شعرائے لکھنؤ کے دواوین کو
لوگ سر اور آنکھوں پر لیئے کیوں پھرتے ہیں؟

مولوی عبدالسلام ندوی نے شعر الہند حصہ اول میں "لکھنؤ اور دلی
اسکول" کا امتیاز ظاہر کرتے ہوئے "لکھنؤ کے تمدن و معاشرت میں عام طور
پر جو زنانہ پن پیدا ہو گیا تھا اس کا اثر وہاں کی شاعری سے بھی واضح طور
پر نمایاں ہوتا ہے لکھ کر ذیل کے شعر نقل کیئے ہیں۔

آتش

کسی کی محرمِ آبِ رواں کی یاد آئی حباب کے جو برابر کبھی حباب آیا

ناسخ

جلد رنگ لائے دیدۂ خونبار اب تارِ نگاہ ہے محرم اس پری پیکر کو ناڑا چاہیے

"

کاترِ خطِ استوا بدن کا تیری سونے کی کردھنی ہے

یہ چند شعر مشتے نمونہ از خروارے ہیں ورنہ اگر شعرائے لکھنؤ کے دواوین کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو اُن سے عورتوں کے زیورات پوشاک اور سامانِ آرائش کی مفصل فہرست مرتب کی جا سکتی ہے صرف یہی نہیں بلکہ جا بجا اُن کا لب و لہجہ بھی زنانہ ہوتا ہے۔ مثلاً

رشک

مر گیا منتظر ہی میں تیری او وعدہ خلاف موت آئے ملک الموت تیرے آنے کو

"

اُدبری تجھ کو خدا نے دی ہے صورت نور کی تیری ایڑی پر کروں صدقے میں چوٹی حور کی

"

اب کی نوچندی میں آئے نہ زیارت کو اگر علمِ حضرت عباس ہی کی مار پڑے

(شعر الہند حصہ اول صفحہ ۲۱۴، ۲۱۵)

اسی باب میں مولوی عبد السلام نے اور اسی قسم کے اشعار بھی نقل کیے ہیں جنھیں ہم بھی نقل کرتے ہیں۔

آتش

بوسہ بازی سے میری ہوتی ہے ایذا انکو — منہ چھپاتے ہیں جو ہوتے ہیں حیا سے پیدا

لب شیریں کی تیری چاشنی ممکن ہو گی — رس سے شکر ہوئی شکر سے نباتی پیدا

یہ جانتے تو تمہیں ہم نہ باندھنے دیتے — کمر کے ساتھ لپٹے گا ناف کو پٹکا

ناسخ

شکمِ صاف کے قریں ہے کمر — یا ہے مخمل پہ خواب مخمل کا

حسین علی خاں اثر

دلاسے لیتے ہیں قندِ لب کے خاطر خواہ بوسے کی — مثل مشہور ہے دنیا میں گڑ میٹھا ہے چوری کا

خلیل

وصل کی شب پلنگ کے اوپر — مثل چیتے کے وہ اچھلتے ہیں

ناسخ

بالوں کا کچھ اثر بغلِ یار میں نہیں — پڑتا ہے عکس زلفِ سیہ فام دوش پر

خلیل

بھرتے ہوئے دن کاٹتا ہے نامہ بری میں — قاصد مرا گویا کہ روشتہ[1] ہے مخمل کا

خلیل

دیکھی شبِ وصل ناف اس کی — روشن ہوئی چشم آرزو کی

---

[1] روشنا —

مولوی عبدالسلام صاحب نے ان اشعار کو جو معمولی تھے نقل کر لیا ہے۔ اگر وہ چاہتے تو انہیں شعرا لکھنو آتش، ناسخ، بحر وغیرہ کے دواوین سے حد درجہ گندے شعر نکال سکتے تھے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ آتش، اور ناسخ، بحر اور جلیل جیسے اردو کے اساتذہ نے اگر ایسے عریاں محاورے اور شہوت انگیز جذبات استعمال کئے تو برے نہیں لوگ انہیں آنکھوں پر جگہ دیں اور جان اور رنگین نے اگر انہیں واقعات کو لکھ دیا تو غضب ہو گیا۔ شاعر سے لیکر رام بابو سکسینہ تک چیخ اٹھے کہ فحش ہے مخرب اخلاق ہے کیا ہے اور کیا ہے۔

شعرائے عرب کے دواوین کا مطالعہ کیجئے تو آپ وہاں بھی ایسے ہی آبرو یا خستہ شاعر پائینگے۔ عرب کے شاعر اعظم امراء القیس کا سارا دیوان آپ کو ایسے ہی "ریختیانہ" خیالات اور جذبات اور مناظر سے بھرا ہوا ملیگا اس کا مایۂ ناز "دارۃ جلجل" والا قصیدہ جس کے متعلق وہ کہتا ہے کہ

الا رب یوم کان منهن صالح ولا سیما یوماً بدارة جلجل[1]

دارہ جلجل ایک تالاب تھا جہاں ایک دفعہ امراء القیس کی محبوبہ عنیزہ اور اس کی سہیلیاں کنارے پر کپڑے رکھ کر نہا رہی تھیں۔ اسی حالت میں یہ حضرت جا پہونچے اور سبھوں کے کپڑے سمیٹ چھپا ڈالا۔ اب جو

---

[1] وصل محبوب کے لحاظ سے جو اچھے دن گزرے ہیں ان میں وہ دن سب سے زیادہ اچھا تھا جو دارۃ جلجل میں گزرا۔

سبھوں نے نہا کر کپڑوں کا مطالبہ کیا تو آپ نے ان سب کو اور خاص کر اپنی
محبوبہ عنیزہ کو پانی سے برہنہ نکلنے پر مجبور کیا۔ یہ قصیدہ عمدہ ترین کلام
میں شمار کیا جاتا ہے۔ بہترین جذبات کا آئینہ اور نفیس ترین الفاظ کا
حامل عمدہ تشبیہوں اور استعاروں سے بھرا ہوا خیال کیا جاتا ہے حالانکہ
اس میں اسی تالاب والے واقعہ کی عریاں ترین تصویر ہے۔ جو نہایت
ہی فحش اور شہوت انگیز بھی خیال کی جا سکتی ہے۔

یہ حال شاعر عجم کی مشہور ترین نظم شاہنامہ کو دیکھئے تو اکثر
مناظر اور اشعار آپ کو دار جلال سے زیادہ عریاں نظر آئیں گے۔ یہی وہ
کتاب ہے جس پر عجم کو ناز ہے جو "قرآن عجم" کہلاتی ہے، علاوہ ازیں
اور اساتذہ عجم کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو ناسخ و آتش، بحر، خلیل
کی طرح بیسیوں فحش اشعار ملیں گے۔

یونان کی مشہور شاعرہ سیفو کا کلام دیکھو تو وہ بھی اسی رنگ
میں رنگا ہوا نظر آئیگا "فیان" کے ساتھ اس نے جو کچھ کیا لکھ دیا اور
لکھا بھی تو اس مزے سے کہ جان اور رنگین بھی مات ہو گئے۔ انہیں
اشعار کو دیکھ کر یونانیوں نے سیفو کو آبرو باختہ قرار دیا اور سزا بھی دیدی
مگر وہی لوگ اس کے کلام کے حافظ بھی رہے اور اب تک سیفو کا کلام
موجود ہے۔

رونے کی جگہ ہے کہ مذکورہ بالا کلام میں کسی کو کچھ بے لطفی نہیں لگی
مگر نظر آتے ہیں تو صرف ریختی ہیں کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہیں جو حضرت باصفا

"دع ما کدر" پر عمل کر کے گرنے سے شعر نکال دے اور اچھے شعر کہئے!

ان نام نہاد علم برداران شعر و ادب کو معلوم ہونا چاہئے کہ بقول "لنکن"
"تم کچھ لوگوں کو بیوقوف بنا سکتے ہو اور سب لوگوں کو تھوڑے"
"عرصے کے لئے دھوکہ دے سکتے ہو لیکن تم ہمیشہ سب لوگوں کی"
"آنکھوں میں خاک نہیں جھونک سکتے"

دنیا کا عجب حال ہے۔ "ڈکنز ہیوگو" کہتا ہے۔
"وہی بیشتر یا اکثر باتیں جن پر قلم اٹھانا کسی زمانے"
"میں خلاف عظمت سمجھا جاتا تھا آج دنیا کے ادب میں بہ عظمت"
"نگاہوں سے دیکھی جا رہی ہیں اور ان پر روشنی ڈالنا"
"معراج کمال کا ثبوت دینا ہے"

دس بارہ سال پہلے حیدرآباد میں محرم کے زمانے میں "رنگ" نکلتے تھے ان رنگوں میں عجیب قسم کی شاعری کی جاتی تھی، بعض عبدالکریم نتھو بیگ وغیرہ ان پڑھ شاعر رنگ بندی کیا کرتے تھے لوگ سنتے اور ہنستے شعرا باکمال ناک بھوں چڑھاتے بلکہ خوب خوب سناتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ اس شاعری کو سن کر خود مجھے ہنسی آتی تھی، مگر آٹھ دس سال بعد ہی زمانے نے ایسا پلٹا کھایا کہ وہی نظمیں جو بالکل عبدالکریم دانا والی محرم کی رنگوں والی بے تکی نظموں کی سی ہوتی تھیں۔ ہندوستان میں عام طور پر پسند کی جانے لگیں۔ جوان مرگ ادیب مولوی عظمت اللہ خاں بی۔ اے نے مجھے بھی اس رنگ کی

نظمیں کہنے پر مجبور کیا اور میں نے بھی کہیں۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا!

ہندوستان اور دکن میں عام طور پر بارہ پندرہ سال پیشتر چکی پر گیت گانے کا دستور تھا یہ گیتیں غالباً چکی پیسنے والیوں ہی کی ایجاد ہوئی تھیں جب سے کہ آٹے کی گرنیاں نکلیں چکیاں بند ہوگئیں مگر ہزاروں کان ان گیتوں سے آشنا ہوں گے وہ گیتیں بالکل عظمت اللہ خاں مرحوم کی نظموں کی سی ہوتی تھیں، عظمت مرحوم کہتے تھے کہ انکی نظمیں ہند کی نظموں کی تتبع میں کہی ہوئی ہیں "ہندی کہنٹ" ایسے ہی ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم مگر ظاہر طور پر تو بالکل چکی کی گیتوں کی طرح ہوتی تھیں، مگر دلگی یہ ہے کہ چکی کی گیتوں کی ہنسی اڑائی جاتی ہے انہیں کوئی پسند نہیں کرتا لیکن عظمت اللہ خاں کی نظمیں عام طور پر پسند کی گئیں۔ یہ زمانہ کا تغیر نہیں تو کیا ہے؟

اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ اچھا اور برا دیکھا جائے سنی سنائی پر مطلق عمل نہ ہو بلکہ ہر چیز کی بھلائی برائی اسے دیکھ کر معلوم کیجائے۔ زبان اردو اگر کسی شاعری کو حقیقی شاعری بنا کر پیش کر سکتی ہے تو وہ نہ تو قصیدہ ہے نہ غزل، نہ رباعی ہے، نہ واسوخت ریختی اور صرف ریختی حقیقی شاعری کی حیثیت سے پیش کی جا سکتی ہے۔

عربوں نے شعر کی تعریف یہ کی ہے کہ۔

"الشعر بمنزلۃ الکلام"

واں کوئی کیوں رہے ہو دین تمہارا ایسی جلاّ تو — رہی یاں اپنا کوئی مار کے جی سٹلائی
کہا کے جب طیش[1] سے کہا آسی کچھ کر بیٹھے — تب یہ جھنجھلا کے کہا میں نے کہ لی سٹلائی!
نہیں ہنسی ہو تو لو جاؤ جی بس بس بخشو! — میں بھی کہتی ہوں بلا اور ابھی سٹلائی
اس لئے گو سر یہ اٹھایا تھا غل کل ہی سے — لیکن اس بات کو سنتے ہی ذری سٹلائی

کیا یہ وہی زبان نہیں جو ہندوستانی شریف مائیں نہیں بولتی ہیں کیا یہ وہی واقعہ نہیں جو اسی طرح یا ذری سی تبدیلی کے ساتھ ہر ہندوستانی گھر میں پیش آتا ہو۔ دیکھئے عورت کی فطرت کو کس عمدگی سے نمایاں کیا ہے عورت کی یہ فطرت ہے کسی عورت نے اپنی کسی چیز پر اس کے سامنے غرور کیا کہ وہ بگڑی تاوقتیکہ بقول رنگین کے اُس کا "مان" نہ گھٹا لے چین نہ لے گی چاہے سٹلائی کپڑا اچھا سی کر ناز کرے یا کھانا اچھا پکا کر ذرا تن جائے پھر یہ تو ملازمین ہوئے اسے تو اپنی عزیزوں کا بھی "اترانا" پسند نہیں آنا چاہیے وہ بہن بھانجی ہی کیوں نہ ہو! اسی طرح ریختی کا ہر شعر فطرت نسوانی کی سچی تصویر نظر آئے گا اس میں چند فحش باتیں ضرور آگئی ہیں جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ واقعات ہیں۔

رات کو مجھ سے یہ تیری دیکھ لی چوری انا — گالی اور یہ تیری جرأت ہی تجھی گوری انا

اُستاد فیض نے کہا یا رنگین نے "مثنوی دربیان سیر باغ اور اظہار احوال دو عورتوں کا روبرو باجی کے" لکھا اور اسی غیر فطری کام کی تفصیل

---

۱ ـــ طیش ـ

باقی تو یار لوگ بگڑ بیٹھے کہ گندہ اشعار ہیں فحش ہیں اور شہوت انگیز ہیں۔
مگر کسی شخص میں اس قدر جرأت ہے کہ وہ ان واقعات کو غلط ظاہر کر سکے؟
"ڈکنسر بری سکشول اسپ فنڈنگ" "سائکالوجی آف سیکس" "میڈیکل
جورس پروڈنس" "دی سکشول لائف آف" اور "ڈاہیم" "برٹش میڈیکل جرنلز"
ان تمام واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ کیوں نہ انہیں جلا دیا جائے۔
کیوں ان کی اشاعت روک دی جائے۔ کیوں نہ انہیں ضبط کر لیا جائے۔
دنیا بھر کے کارخانے۔ زنانی مدارس۔ زنانی دار الاقامے۔ زنانی جیل خانے
جس طرف نظر اٹھائیے یہی منظر پیش نظر ہوگا۔ زمانۂ قدیم کی مشہور مصری
ملکہ "ہیشپا" جو مصنوعی ڈاڑھی مونچھ لگاتی اور مردانہ لباس پہنتی تھی۔
اسی لعنت میں مبتلا تھی۔ روس کی ملکہ کیتھرائن باوجود شادی شدہ اور
کئی بچوں کی ماں ہونے کے ایسی ہی مشہور تھی۔

عورتوں نے اس ایک طریقے کے علاوہ تسکین خواہشات کے کئی
ایک طریقے ایجاد کئے ہیں بعض مصنوعی آلات بھی بنائے ہیں۔ خیر یہ
گزری کہ ریختی گویوں کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوا ورنہ ایک آفت
بپا ہوتی!

بہرحال بقول ڈاکٹر "کوشر" "یہ لعنت تمام دنیا کی عورتوں پر مسلط
ہے"۔ اگر ریختی گویوں نے ایک آدھ شعر میں اس کا تذکرہ کر دیا تو کونسی
قبیح شکلی کی جس کی وجہ تمام "ملا" وضع لوگ بگڑے ہوئے ہیں۔
یہی ایک چیز ہے جو ریختی میں زیادہ ہے ورنہ اور سب باتیں جو

ریختی میں موجود ہیں وہ سب کی سب اساتذۂ لکھنؤ کے دواوین میں موجود ہیں۔
مثنوی کہنے والوں نے تو (میرحسن سے لے کر شوق تک) خوب دل کھول کر
اس قسم کے مضامین لکھے ہیں۔ مگر کوئی اللہ کا بندہ ان کو بُرا نہیں ٹھیراتا۔
البتہ بُرا ہوتا ہے تو ریختی اور صرف ریختی پر!

ریختی کی ابتدائی تاریخ تو آسانی سے معلوم ہوتی مگر یہ معلوم کرنا مشکل
ہے کہ ریختی ایجاد کیسے ہوئی؟ اور کیوں ہوئی؟ نام سے ظاہر ہے کہ یہ ریختہ
کی تانیث ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ریختہ کے بعد کی چیز ہے مگر یہ سوال
حل نہیں ہوتا کہ کیوں ایجاد کی گئی۔ انشاء اللہ خاں کا بیان ہے کہ رنگین
نے اس کو اس لئے ایجاد کیا کہ شریفوں کی بہو بیٹیاں خراب ہوں۔ رنگین کہتے
ہیں کہ میں نے عرصہ شیطانی میں جا کر خانگیوں سے میل ملاپ بڑھا کر یہ چیز
حاصل کی۔ انھیں نے اسی کو ضمیمہ اور بیگمات شوخ چشم شاہجہان آباد لکھا ہے
انشاء اللہ خاں کا یہ بیان کہ رنگین نے شریفوں کی بہو بیٹیوں کو آوارہ بنانے کے لئے ایجاد کی ہے کچھ زیادہ باثبوت
نہیں ہے اس لئے کہ نہ تو اس زمانے میں رنگین کا کلام اس قدر مشہور ہوا کہ
ادھر سے نکلتا ادھر لوگوں کے زنان خانوں میں پہنچتا اور نہ کتابت
و طباعت کی یہ سہولتیں تھیں کہ وہ شائع کر کے گھر گھر پہنچوا دیتے اور نہ
اُس زمانہ میں عورتیں اتنی لکھی پڑھی تھیں کہ رنگین کی ریختیوں کا مطالعہ
کرتیں اور نہ اس زمانہ کے مرد اسے پسند کرتے کہ ان کی بہو بیٹیاں اس
قسم کے اشعار کا مطالعہ کریں۔

رنگین کا یہ کہنا کہ خانگیوں کی ہمنشینی سے انہیں ریختی کہنے کی طرف

رغبت ہوئی - ایک حد تک درست ہے رنگین ایک حد تک رنگین مزاج واقع ہوئے تھے عیاش آدمی تھے - خانگیوں سے خوب خوب صحبتیں رہیں اور اسی صحبت نے ان کی زبان پر زنانہ محاورات جاری کر دیے اور انہوں نے نظم کرنا شروع کیا - اسی طرح قیس کو بھی قلعہ معلیٰ کے محاورات اچھے معلوم ہوئے اور انہوں نے انہیں موزوں کر دیا - بات در اصل یہ ہے کہ نسوانی اردو بھی نہایت ہی دل آویز چیز ہے شرر تحریر فرماتے ہیں کہ -

"عورتوں کی زبان مردوں کے مقابل ہر ملک اور ہر قوم میں زیادہ شستہ اور دلکش ہوتی ہے - لکھنؤ میں یہ خاص بات تھی کہ محلات اور محترم خاندانوں کی معزز بیگموں کی زبان میں علاوہ نسائی دلفریبیوں کے ادبی اور شاعرانہ نزاکتیں پیدا ہو گئی تھیں باتیں کریں تو معلوم ہوتا کہ منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں اور غور کیجیے تو صحت الفاظ - پیاری بندشیں اور طرز ادا کی نزاکتیں بتاتیں کہ زبان کی خوبیاں اس سرزمین میں کس اعلیٰ کمال کو پہونچ گئی ہیں"

(مضامین شرر مشرقی تمدن کا آخری نمونہ ص ١٠١ تا ١١٢)

دنیا میں انسان اور بقول ڈاکٹر گھوش کے ہر ذی روح اور غیر ذی روح دو طبقوں میں منقسم ہیں - مذکر اور مؤنث یہ تقسیم بالکل فطری

اور قدرتی طور پر اسی کے ساتھ ساتھ ایک درمیانی چیز بھی پیدا ہو گئی ہے یعنی
عورت اور مرد کے بیچوں بیچ ایک تیسری صنف نے بھی جنم لیا ہے اور اس
طبقے میں دونوں اصناف کے افراد پائے جاتے ہیں۔

وہ مرد جن پر عورتوں کے خیالات کا زیادہ اثر پڑا یا کسی قدرتی کمی سے
ان میں نسائیت پیدا ہو گئی تو وہ اپنے آپ کو عورت سمجھنے لگے حالانکہ قدرت
نے انہیں مرد پیدا کیا تھا مگر وہ منشائے قدرت کے خلاف نہ تو عورت بن سکے
اور نہ مرد ہی رہے بلکہ ایک جداگانہ ہستی قائم ہو گئی۔ اسی طرح بعض عورتیں
بھی اپنے اندر مردانہ جذبات اور مردانہ خصوصیات کو محسوس کر کے مرد بننے
کی کوشش کرنے لگیں مگر وہ نہ تو مرد ہی بن سکیں اور عورت ہی رہیں بلکہ ایک
جداگانہ حیثیت قائم کر کے درمیانی قرار پائیں۔ اسی طرح آپ کو درمیانہ
مرد اور درمیانہ عورتیں اکثر ملیں گی۔ مردوں کے اس درمیانہ طبقے کے
متعدد نام رکھے گئے اور مختلف ملکوں میں مختلف اسمائے سے مشہور ہیں۔
مگر عورتوں کی اس درمیانی صنف کا کوئی نام ہی نہیں تجویز کیا گیا اور نہ
کسی ملک میں کسی خاص نام سے شہرت ہوئی چونکہ بہ نسبت مردوں کے
ان کی تعداد کم تھی اس لئے الشاذ کالمعدوم کے تحت انہیں بمنزلہ صفر
ہی سمجھا گیا۔

مردوں میں نہ صرف بعض اس درمیانہ روش پہ گامزن نظر آتے
ہیں بلکہ بعض ایسے بھی ہیں کہ ان میں سوائے لطافت خیال کے اور کوئی
بات عورتوں کی سی نہیں ملیگی اور اسی طرح بعض عورتیں بھی نسائیت کا

مکمل نمونہ ہوگی مگر ان کے خیالات مردوں کے سے ہوں گے۔ بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ
اس قسم کے مرد اپنے آپ میں نسوانی خیالات کی موجودگی اور ان کے جذبات
کی لطافت کو محسوس کرتے ہیں اور نہ عورتیں اپنے تئیں مردانہ خیالات کی
حامل سمجھتی ہیں انہیں عورتوں کے متعلق بیگم صاحب نے کہا ہے۔

ہاتھ میں جن کے قلم ہو بات میں جن کی اثر　　اسے زیادہ عورتیں بھی مردوں سے کم نہیں

یہی نسوانی خیالات کی رو تھی جو مردوں میں پیدا ہوکر ریختی گوئی
کی باعث ہوئی نہ تو کوئی فحش خیال اس کا محرک ہوا اور نہ میلوں تماشوں کی
سیر ہی ہاشمی دکنی (متوفی ۱۱۰۹ھ) کے متعلق کون کہہ سکتا ہے کہ وہ تماش بین
تھے پہلے اور عرس میں جا کر خانگیوں کی تماش بینی کیا کرتے تھے وہ بیجاپور کے
مشہور مرشد سید شاہ ہاشم کے مرید اور خود بھی ایک صاحب دل بزرگ تھے۔
علی عادل شاہ کے درباری شاعر ہونے کی وجہ ان کا کیرکٹر اور بھی مضبوط اور
بے عیب تھا قدرت نے دیدۂ ظاہری بھی بند کر دیے تھے اب سوائے
یاد اللہ کے اور کیا کر سکتے تھے۔ مگر باوجود اس کے ان میں نسوانی خیالات
کی ایک رو تھی جو انہیں ریختی گوئی کی طرف لے گئی اور انہوں نے ریختی کا
دیوان مکمل کر لیا۔

اُو جیسدن گول کنڈہی میں گئی ہو یاد ہیں یا ناں
ہیں تم ہل کو بیٹھے تھے سکی جسدن دلا رکیاں

سجن آویں تو پردے سے نکل کر بہار بیٹھوں گی　　بہانہ کرکے موتیاں کا پروتی ہار بیٹھوں گی
انہوں پاس آ دیکھینگے تو کھونگی کام کرتی ہوں　　اٹھلی اور سہلی جیب گھڑی دو چار بیٹھوں گی

یہ جذبات اسی وقت قلمبند کئے جا سکتے ہیں جب عورت کی نفسیات پر
مرد کو کامل عبور حاصل ہو جائے یا مرد عورت کے خیالات میں ڈوب جائے
مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ مرد آخر مرد ہی ہے کبھی وہ مکمل عورت نہیں بن سکتا
ریختی کہتے کہتے تصوف پر اتر آیا جو اس کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

عرفاں کی یاں کتابیں پڑھنا سکھی ہوں تب سے
جب سے لگی ہوں پڑھنے تیرا کلام لولو

اسی طرح خاکی نے بھی اسی رنگ میں ڈوب کر ریختی کہی ہے اور معرفت
و سلوک کے مضامین باندھے ہیں۔ سید محمد قادری جیسے متقی، سید میران جیسے
پاکباز کے متعلق کون یہ شبہ کر سکتا ہے کہ یہ لوگ برے کردار کے تھے۔
اسی طرح جان صاحب، انشا، صاحبقران کے متعلق مشہور ہے کہ اگر یہ لوگ
نہایت متقی پرہیزگار تہجد گزار نہیں تھے تو بدکردار بھی نہ تھے ان کے اخلاق
کے متعلق کسی کو شبہ نہیں ہے اکثر تذکرہ نویسوں نے تعریف کی ہے خاص کر
انشا کا کیرکٹر تو نہایت اچھا مشہور رہا ہے۔ اسی طرح [illegible] قیس دربار
مہاراجہ چندو لال کے متوسلین [illegible] کے [illegible] دکن کے [illegible]
نیک لوگوں میں سے تھے ان کے اخلاق و عادات بھی نہایت عمدہ اور قابل ستائش
تھے۔ [illegible] زمانہ ہمارے پیش نظر [illegible] مرزا [illegible] بیگم [illegible] بوڑھے
ہو گئے ہیں مگر ان کی کوئی بات ایسی نہیں پائی جاتی جو ان کی ریختی کے متعلق
خیال قائم کر لیتے ہیں [illegible] نہایت ہی وضع دار [illegible] مذہب
[illegible] ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ [illegible] ان کے جذبات

واحساسات ہو بہو عورتوں کے سے ہیں اور یہی وجہ ہے جو وہ کامیابی سے ریختی کہہ سکتے ہیں۔

ریختی کے فوائد اور نقصانات پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ریختی سے کوئی نقصان نہیں ہوا البتہ ایک فائدہ یہ ضرور ہوا کہ عورتوں کی وہ گھریلو زبان جو گھر کی چار دیواری ہی تک تھی وہ ریختی منظر عام پر آگئی اور زنانی محاورات و اصطلاحات نظم ہونے کی وجہ سے محفوظ ہو گئے۔ رہا یہ اعتراض کہ ریختی سے اخلاق کو نقصان پہنچا۔ اس کو ماننے کے لئے ہم تیار نہیں ہیں اور نہ اس وقت ہم اخلاقیات پر کچھ لکھنا ہی چاہتے ہیں۔

ہندوستان کی عورتوں کی ایک مستقل زبان ہے اور وہ ایک مدت سے چلی آرہی ہے مگر اب اس کو ستیاناس کرنے والیاں بھی پیدا ہو گئی ہیں اچھی خاصی چوٹ سے والیاں نظمیں لکھتی ہیں تو مردوں کے رنگ میں مضامین لکھتی ہیں تو بالکل مردانہ انداز سے مگر وہ کیا کریں گی ان پر مردانہ تخیلات اور جذبات نے اس قدر گہرا اثر کر لیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھلا بیٹھی ہیں یہ وبا عام ہوتی جا رہی ہے۔

ریختی کہنے والے اب بھی موجود ہیں اور بعض شعرا ریختی بھی کبھی کبھار ریختی شعر کہتے ہیں مگر یہ ریختی گو نہیں کہلا سکتے۔ ریختی کا ذوق اس قدر کم ہو گیا ہے کہ اب ریختی گو پیدا ہوں گے۔ ہاشمی، خاکی، رنگین، انشا، جان صاحب، آزمین اینگلو کے علاوہ اور ریختی گو شعرا کا کچھ کلام آپ کو اس تذکرے میں نظر آئے گا مگر یہ لوگ مستقل ریختی کے شاعر نہیں کہلا سکتے اور نہ انہوں نے

کوئی خاص بات ہی پیدا کی۔

جہاں تک ممکن ہوا اُردو تذکرہ نویسوں نے ریختی سے پہلو تہی کرنے کی کوشش کی ہے، زمانۂ حال کے سنجیدہ تذکروں میں سے گل رعنا، شعر الہند اور تاریخ ادب اُردو کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو ریختی کی تھوڑی سی مذمت ضرور ملے گی مگر ایک شعر بھی نظر نہیں آئیگا، فنی اعتبار سے ہر تذکرہ نویس کا فرض ہے کہ وہ ہر ایک اچھی اور بری چیز کو پیش کرکے اس پر خیال آرائی کرے مگر افسوس ہے کہ ریختی کے متعلق ایسا نہیں کیا گیا۔ سرے سے اس کو بری چیز سمجھکر ایک قلم ترک کر دیا گیا اور ہمارا جہاں تک خیال ہے ان تینوں تذکرہ نویس حضرات نے جن کے تذکروں کے نام اوپر لکھے گئے ہیں ریختی کو دیکھنے کی زحمت تک نہیں کی صرف سُنی سنائی باتوں پر لکھ مارا کہ ریختی ایسی اور ویسی ہے ورنہ انہیں جہاں ریختی میں برے اشعار نظر آتے ان کے ساتھ ہی ساتھ اچھے شعر بھی ملتے، ریختی میں کوئی ایسی چیز نہیں جو موجود نہ ہو قصیدہ اور سہرا پائے سے لیکر واقعہ نگاری کی کٹھن منزلوں میں تک آپ ریختی کے میدان کو وسیع پائیں گے' نازنین کا خمسہ قاسمی کی غزل پر ملاحظہ کیجئے مقطع کے جو مصرع لگائے ہیں وہ ہیرے ہیں کہ جڑ دئے ہیں اس مزے سے شعر کو نبھایا ہے کہ واہ آج تک سینکڑوں نے اس غزل پر خمسے کہے ہیں حدیث قاسمی کے نام سے ایک رسالہ بھی طبع ہو چکا ہے۔ جس میں اس غزل پر مختلف لوگوں کے خمسے ہیں جن میں سے ایک خمسہ نازنین کا بھی ہے۔ مگر نازنین نے مقطع میں جو بات پیدا کی وہ کوئی

پیدا نہ کر سکا۔

وردِ عصیاں ہے جو تھی نازنین کو بیتابی　　سنہ پہ آنچل دوپٹے کا لئے روتی تھی
دیکھا اس دکھیا کا عالم تو اُسے کچھ نہ بنی　　سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

اپنی بے تابی سے پریشان کر کے قدسی کو پریشان دار دربار رسالت میں بھیجنا نازنین ہی کا کام تھا۔ اسی طرح جان صاحب اور رنگین و انشا نے کوئی مضمون نہیں چھوڑا۔

جمشید کا پیالہ میری فکر ہے ہوا　　مضمون آئینہ کیا سارے جہان کا

گھر کی چھوٹی سے چھوٹی بات سے لیکر باہر کی بڑی سے بڑی بات موزوں اور محفوظ کر دی۔ جان صاحب کا زمانہ گیا۔ رنگ بدل گیا فضا بدل گئی بلکہ اب دنیا ہی نئی ہو گئی بیگم نے بھی اس تبدیلی سے متاثر ہو کر ریختی میں جدت پیدا کی۔ بیگم کی وہ طویل نظم دیکھئے جو اُردو کی ابتدا کے متعلق ہے۔ کس قدر سلیس اور عمدہ ہے۔ اسی طرح خیالات میں بھی جدت پیدا ہو گئی۔

پھر ہوئی عورتوں پر جو تھوڑا ظلم　　کونسلوں میں جبکہ لی خانم نہیں بیگم نہیں
ہاتھ میں جنکے قلم ہی بات میں جن کی اثر　　اے لو وہ عورتیں بھی مردوں سے کم نہیں
بیویاں ہیں میری لیکن انکی مجلس بھی تو ہو　　چند تصویریں ہیں حیراں ورنہ کوئی غم نہیں
قطرے میں تھا انسان پڑا بیٹ میں جسدم　　روتا ہوا جب گود میں آیا تو بشر تھا
الٰہی خیر انکی جان کی ہو ایک مدت ہے　　نہ وہ آئے نہ خط بھیجا نہ کوئی انکا تار آیا

شمس العلماء خان بہادر مولوی محمد یوسف جعفری کلکتہ یونیورسٹی کے عربی و فارسی کے لکچرار اور بورڈ آف اگزامنرز کے چیف مولوی عظیم آباد پٹنہ کے عالم و فاضل بزرگ تھے، تفنن طبع کے طور پر ریختی بھی کہتے تھے۔ مگر بالکل آج کل کے رنگ میں رنگی ہوئی۔

غرض سر مد لگانے سے نہ مطلب پان کھانے سے
ہوئی خاصی فرنگن انگریزی تعلیم پانے سے

اگر ریختی باقی رہی اور زمانۂ حال کے شعراء دلچسپی لیں تو ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ ماحول کے اثرات پڑیں گے۔

ہم نے ریختی کی وکالت کا بیڑا ہی اٹھایا ہے اور نہ ہمیں ریختی سے خواہ مخواہ کی ہمدردی ہے جو ہم اصناف سخن میں ریختی کو سب سے اچھی چیز ثابت کریں۔ ہم ریختی گوئی کو غزل گوئی کی مماثل قرار دینا چاہتے ہیں نہ مرثیہ کے درجہ تک پہنچانے کے آرزومند ہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ریختی کو دیکھا جائے اسے پڑھا جائے اور اردو ادب سے جو اسے حرف غلط کی طرح مٹایا گیا ہے اس کی تلافی کی جائے اور ادبیات میں اسے کوئی نہ کوئی درجہ دیا جائے۔ چاہے آپ اسے ظریفانہ شاعری کے ساتھ جگہ دیں یا کسی اور صنف میں مگر اس کے لئے جگہ ضرور نکالئے۔

ادب اور اخلاق دو بالکل جدا گانہ چیزیں ہیں شعر کو ادب کی کسوٹی پر کس کر دیکھنا چاہئے اخلاق کی کسوٹی پر پرکھنا فضول ہے، ادب میں حیا و شرم بے حیائی اور فحش کا معیار اگر مقرر کر دیا جائے تو آپ کو مجبوراً بہترین ادبی شہ پارے تلف کر دینے پڑیں گے۔ عمدہ سے عمدہ کتابیں جلا دینی

پڑیں گی افسوس ہے کہ یوں ہی میری پریشان خیالی بہت طویل ہو گئی ہے ورنہ میں ضرور ادبیات میں شرم و حیا کے معیار پر کچھ لکھتا۔

تذکرہ پریس میں جا چکا تھا اور آدھی سے زیادہ طباعت بھی ہو چکی تھی کہ میں بخار میں مبتلا ہو گیا اور اب تک ہوں۔ اسی بخار کی حالت میں اس مقدمہ کو مکمل کیا ہے۔ آپ خیالات کی بے ترتیبی اور پریشاں نگاری سے تو سمجھ جائیں گے کہ کسقدر "بوکھلاہٹ" میں یہ سطریں لکھی گئی ہیں۔

الملتمس

تمکین کاظمی

کوٹلہ عالیجاہ حیدرآباد دکن

۱۱ جنوری ۱۹۳ء

فہرس

اشرف

ولی کے معاصر تھے، ان کے کلام پر بھی ریختی کا شبہ ہوتا ہے۔

پیا بن میرے تیں بیراگ بھایا ہے جو ہونا ہو سو ہو جائے
بھبوت اب جوگیوں کا رنگ لایا ہے جو ہونا ہو سو ہو جائے

(طبقات الشعرائے ہند ص ۹۳)
(چمنستان شعراء قلمی) (رسالہ تجلی بابتہ اکتوبر ۶۲ء ص ۵۵)
(نکات الشعراء ص ۱۰۸)
(اردو شہ پارے جلد اول ص ۱۴۷ و ص ۱۴۸)

انشا

میر انشاء اللہ خاں نام انشا تخلص میر ماشاء اللہ خاں کے فرزند چونکہ ان کے والد خود شاعر اور عالم و فاضل تھے اس لئے انشار کی تعلیم و تربیت میں بھی اچھی طرح کوشش کی، انشار نے فارسی و عربی میں خاصی استعداد پیدا کرلی تھی، طبیعت میں بھی خاصہ دخل تھا، فارسی اردو، عربی میں آسانی سے شعر کہتے تھے، مرشدآباد میں پیدا ہوئے وہیں ہوش سنبھالا، اور دلی جاکر شاہ عالم کے دربار میں منسلک ہو گئے، چند روز رہ کر لکھنؤ پہونچے اور مرزا سلیمان شکوہ کے دربار میں رسائی پیدا کی، پھر نواب سعادت علی خاں کے دربار سے تعلق پیدا کیا اور وہ ٹھاٹھ باندھا کہ نواب کو اپنا کلمہ پڑھا دیا۔

۱۲۲۵ھ میں نواب سے تنگ ہو کر خانہ نشین ہو گئے، انہیں دنوں جوان بیٹا تعالی اللہ خاں مر گیا، آزاد منش شاعر کو نظر بندی اور خانہ نشینی نہایت تکلیف دہ تھی مگر پھر بھی تقریباً آٹھ سال اسی حالت میں گزار کر محرم ۱۲۳۳ھ میں قید ہستی سے آزادی حاصل کی۔

کلیات مطبوعہ موجود ہے جس میں فارسی اردو کا مکمل دیوان ہے اور قصیدے، غزلیں، قطعے، خطوط، رباعیاں، پہیلیاں، چیستانیں، ہجویں، مثنویاں سبھی موجود ہیں، عربی، فارسی، اردو کے علاوہ انگریزی، پشتو، پنجابی، مراٹھی وغیرہ وغیرہ کتنی ایک زبانوں میں مصرعے اور اشعار مسلسل موزوں کئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے ہر ایک زبان تھوڑی تھوڑی جانتے ہونگے۔

اسی زمانے میں رنگین نے ریختی کہنی شروع کی گو آپ نے ابتداً

اُسے پسند نہیں اور دریائے لطافت میں یہ کہہ کر اپنی نفرت کا
ثبوت دیا کہ۔

"سب سے زیادہ ایک اور سنئے کہ سعادت یار طہماسپ کا بیٹا"
"انوری ریختہ آپ کو جانتا ہے، رنگین تخلص ہے ایک"
"قصہ کہا ہے۔ اس مثنوی کا نام دلپذیر رکھا ہے۔ رنڈیوں"
"کی بولی اس میں باندھی ہے۔ میر حسن پر زہر کھایا ہے"
"ہر چند اس مرحوم کو بھی شعور نہ تھا، بدر منیر کی مثنوی"
"نہیں لکھی، گویا سانڈے کا تیل بیچتے ہیں، بھلا اس کو"
"شعر کہا کر کہیئے۔ سارے لوگ دلی کے لکھنؤ کی رنڈی سے"
"لیکر مرد تک پڑھتے ہیں۔"
"چلی واں سے دامن اٹھاتی ہوئی کڑے کو کڑے سے بجاتی ہوئی"
"سو بیچارے رنگین نے بھی اسی طور پر قصہ کہا ہے۔ کوئی"
"پوچھے بھائی تیرا باپ رسالہ دار مسلم۔ لیکن بیچارہ بر چھی"
"بھالے کا رکھنے والا، تیغے کا چلانے والا تھا تو ایسا قابل"
"کہاں سے آیا اور شہدین جو بہت مزاج میں رنڈی بازی"
"سے آگیا ہے تو ریختے کے تئیں چھوڑ کر ایک ریختی"
"ایجاد کی ہے اس واسطے کہ بھلے آدمیوں کی بہو بیٹیاں"
"پڑھ کر مشتاق ہوں۔ بھلا یہ کلام کیا ہے........ اور ایک"
"کتاب بنائی ہے جس میں رنڈیوں کی بولی لکھی ہے"

مگر یہ نفرت قائم نہ رہ سکی چند ہی روز کے بعد خود حضرت نے میر حسن کے "سانڈے کے تیل" والے اشعار سے بھی زیادہ گئے گزرے شعر کہنے شروع کئے اور رنگین کی شہادین کی ریختیوں سے بھی زیادہ عریاں ریختیاں لکھیں حتیٰ ایں کہ ریختی میں دیوان مکمل کر لیا، رنگین کی ریختیوں پر ریختیاں کہیں اور اس رنگ میں بھی خاص شان پیدا کرلی ۔

(تذکرہ گلِ رعنا ص ۲۵۳ تا ۲۶۳، طبقات الشعرا ہند ص ۲۰۱، شعرا الہند ص ـــ، سخن شعرا ص ۵۲ تا ۵۴، قطعہ منتخب ص ۵ و ۶، نغمۂ عندلیب ص ۱۰، خمخانہ جاوید جلد اول ص ۴۶۷، قاموس المشاہیر جلد اول ص ۱۱۱)

میں تیرے صدقے گئی اے میری پیاری مت چیخ
مت جگا نیند بھرے لوگوں کو واری مت چیخ

لگتی ہی چوٹ تو لگنے دے سوس اور ذوری -
ایک دم کے لئے خاطر سے ہماری مت چیخ

اپنا چونڈا نہ ہلا دم نہ پھلا اے بلبل -
کہہ دیا میں نے نہیں تجھکو کہاں ری مت چیخ

کیوں میرا مغز پھراتی ہے اری بیتا چپ -
اڑ گئی دور بھی ہو جیسے گنواری مت چیخ

اے بری دا ای گئی گذری ہوئی باتیں نہ چھیڑ
تو چھتی کیوں ہے بھلا اس دل کے زخموں کے کھرنڈ

آپ کی گائن کی کیا تعریف کیجئے واہ واہ -
کوئی دھوبی گھاٹ پر جس روپ گاتا ہو کھنڈ

بیگما نے جو کیا جھک کے سلام آتو کو
آغا بینا نے سنائی اسے یونہی آ وا نڈ

یو توں پھلتا تجھے اور دو دھوں نہانا ہو نصیب
بیاہ ہو سو سلنے کے سہرے تیری عمر دراز

نہیں زیور کی کچھ بھبن پر غش

میں تو ہوں تیرے سادہ پن پر غش
چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیرا پاکھ ہے

سچ تو یہ ہے ہے یہ سارا حسن کا عالم غلط
اجی بی بی سیدانی صدقے گئی تھی

مجھے ہے تمہاری دعا کی توقع
بیگما چاہ بھی پہاڑ ہے ایک

اس میں اک ٹھنڈی سانس جھاڑ ہے ایک
اری بی ایک ہی عیار ہو تم

ناک چوٹی میں گرفتار ہو تم
چھیڑ کی بات سوا اور نہیں۔

لینے لڑنے ہی پہ تیار ہو تم
انشا کی بات چیت میں جو چھیڑ چھاڑ ہے

سو لذت النسا میں کہیں ہے نہ کوک میں
بس کہیں چپکے بھی ہو ایسے کہیں توڑے کروڑ

جیب میں میری بھری ہیں پولیاں اور ٹھولیاں
پائنچے ڈھیلے قبائیں سب کی اب ٹھیک ٹھاک

اڑ گئے وہ لمبے دامن اور اونچی چولیاں
کچھ نہیں معلوم پوچھو کونسا میلا ہے آج

جاتیاں ہیں جو کھچا کھچ ڈولیوں پر ڈولیاں

کیا تیرے سر آپڑی ہے چاروں کے چاروں الاماں
شاہ دریا، شیخ سدّو، زین خاں ننھے میاں
میں تیرے صدقہ نہ رکھ اے میری پیاری روزہ
بندی رکھ لیگی تیرے بدلے ہزاری روزہ
جو ہم کو چاہے اس کا خدا انت بھلا کرے
دودھوں نہلائے اور وہ پوتوں بھلا کرے
روٹھے ہوئے کو کس لئے جا کر منائے
منت کسی نگوڑے کی اپنی بلا کرے
جو دل کی آرسی کو ہماری جلا کرے
اس کا کنول خدا کی طرف سے کھلا کرے
چھوا ہے کچھ نہ چھیڑا ہے کسی نے اب تلک انکو
ابھی سے بیگما جی نے بھلا کیوں منہ بگاڑا ہے
خدا ان کو اجاڑے ہاتھ سے اُن باغبانوں کے
جنہوں نے اس موئے بلبل کے گھونسلے کو اجاڑا ہے
میری بدی ہیں جو کوئی ہوئے
اس سے سمجھ لے تو ہی الٰہی
یوں لگی کوسنے چوپٹّیں چوہاری وہ پری
ستّی ہو جائے دشمن مر تیرا راجہ جل جائے
رات بھر اپنا تڑپتا ہی رہا جی باجی!

اب تو نوبت بھی اٹھو اجی باجی یا جی!
اے تو اس کوٹھری میں میرے ڈرانے کے لئے
ایک عبا اوڑھ کے بن بیٹھے ہیں حاجی باجی!
چبھتی ہے یہ نگوڑی سلسل کی اوڑھنی
لا دے وہی دو اچھے ململ کی اوڑھنی
کیا غضب ہے تیری چتون میں بھری آگ بھری
تو بھی کچھ قہر ہے اللہ اری بھاگ بھری

رباعی

ناحق ناحق مجھے جلاتی کیوں ہے　　گھر میں میرے آگ لینے آتی کیوں ہے
آئی تو نہیں ٹھہرتی یہ رنجش ہے　　بیفائدہ یاں تو آتی جاتی کیوں ہے

جھانکا تو نہ کر عبث فضیحت ہوگی　　آ تو یہ سنے گی تو قیامت ہوگی
جا لیں یہ چھوڑ دے نہیں تو ناحق　　ایک روز بڑی بھری فضیحت ہوگی

خط

خاں سوا لمکان سلمہ ربہ　　آپ کو معلوم ہو بعد نیاز و سلام
فضل الٰہی سے یاں اور تو سب خیر ہے　　کٹتی ہے اچھی طرح شکر ہے اسکا مدام
لیکن اجی کیا کہیں کہنے کے قابل نہیں　　اب تو جدائی کے ہاتھ زیست ہوئی ہے حرام

دل میں تو ہوک سے کچھ لگتی ہیں آٹھوں پہر — کوئی اسے کس طرح رکھے بھلا تھام تھام

روز جو وعدے کے بھی گنتے ہی گنتے انہیں — انگلیوں کے پوروے سوجھ گئے ہیں تمام

پردۂ دوری کہیں بیچ سے اٹھ جائے جلد — پردہ نشینوں کی ہے اب یہ دعا صبح و شام

کرتے ہیں جو لیاں باغ تماشے کی سیر — ان میں مجھے رہتی آپنی ہی دھوم دھام

اس میں جو روتے ہوئے دیکھ کسی نے لیا — تو یہ بہانا کہ ہے راتیں ہم کو زکام

بیتیں ہیں انشا کی اور اپنی صحنچی وہی
اس کے سوا ان دنوں کچھ نہیں ہندی کو کام

مستزاد خماسی

میں پھاند کے کل رات جو دیوار نہ جاتی۔ کنڈی نہ ہلاتی۔ جا کر نہ جگاتی
نیند اس کو نہ آتی۔ جو بین کی وہ مالی تیوری نہ ہلاتی
اور چٹکیوں میں سیر سے تیئں صبح اڑاتی۔ ہاتھ نہ نچاتی۔ گالی نہ سناتی
کھانے کو نہ کھاتی کچھ تو نہ بلاتی سہیلی گاتی

(دیوان رنگین و انشا)

آشوب

یوسف علی خاں نام تھا علیگڈھ کے رہنے والے تھے چالیس سال پہلے نہایت زندہ دلی اور یار باشی سے گزران کرتے تھے۔ ریختی کا شوق تھا۔

رکھتے ہیں جو کہ چہل چھبیلا ازار بند — ہوتا ہے ایسے لوگوں کا ڈھیلا ازار بند
قوس قزح بھی دیکھ لے دم بھر تو لوٹ جائے — وہ لال لال نیفہ وہ پیلا ازار بند
لوٹے ہے روز صحبت دلدار کے مزے — کیا خوش نصیب ہے وہ رنگیلا ازار بند
کیا کیا مزے اڑائیں جو پڑ جائے اپنے ہاتھ — وہ گورا گورا پیٹ وہ نیلا ازار بند
پیارے ہر ایک چیز سے زادہ پسند ہے — بانکا چھبیلا اور رسیلا ازار بند
کس مردوے کے ہاتھ پڑا ہے یہ خواب میں — کیوں ہو رہا ہے رات سے گیلا ازار بند

آشوب ان کو ڈر ہے کہیں نا ق کھل نہ جائے
اس واسطے وہ ڈالے ہیں ڈھیلا ازار بند

نگوڑا نکھٹو ہے ہمسائی والا — کڑا یہ کا ٹٹو ہے ہمسائی والا
نہیں رکھتا پائی بھی اکدن بچاکر — کر بھٹیارہ چھٹو ہے ہمسائی والا
میں کیوں سامنے آؤں ایسے موئے کے — کوئی سالا سٹو ہے ہمسائی والا
نہیں تن پہ کپڑا کبھی لیرے لگے ہیں — بڑا ہی نکھٹو ہے ہمسائی والا

(تذکرہ خندۂ گل صفحہ ۱۴۰ و ۱۵۰)

آشفتہ

عنبر شاہ خاں نام، رامپور وطن، عالم و فاضل شخص اور قائم چاند پوری
کے شاگرد تھے۔ قدرت اللہ شوق سے فارسی میں تلمذ تھا۔ ۱۲۱۵ھ میں
زندہ تھے۔ مرادآباد میں انتقال کیا اور وہیں سید خاں کے گھیرے میں
دفن ہوئے۔ ایک دیوان "تدقیق الخیال" اور ایک بیاض "ریاض عنبر"
اردو میں اور ایک دیوان "تشریق الخیال" فارسی میں یادگار چھوڑ گئے۔
کبھی کبھی ریختی بھی کہتے تھے۔

شرارت تھی بھری ہرجائی کی اک ایک بولی میں
ہوئی سوکن گرفتار آخر اپنی ناک چوٹی میں

کوئی نوج ایسے مسٹنڈے سے اپنے جی کو الجھائے
میری انگیا کی ہوتی ابھی نوچا کھسوٹی میں

"گلشن سخن"، "جوش ہوش"، "گلزار عنبر"، "اشراق الخیال"، "سویدائے عنبر نشا
میں" اور "جوہر عنبر"، "میزان الاوزان"، "نوادر المصادر"، "رقعات فارسی میں" اور
"مراۃ الاصطلاحات" مصطلحات میں، "ریاض عنبر" اور "تدقیق الخیال" فارسی
اردو کے دو دواوین اور ایک بیاض "ذکر شعرائے ہند و عجم" چھوڑی۔ فارسی
میں عنبر تخلص کرتے تھے۔ "کبھی کبھی صاحب قران کے رنگ میں ریختی بھی
کہہ لیا کرتے تھے۔" خمخانہ میں انکی ریختی کا کوئی نمونہ نہیں ہے۔

(خمخانۂ جاوید جلد اول ص ۲۷۔ تذکرہ تنہ گل ص ۱۲۱)

بیگم

عابد مرزا نام، ریختے میں بیغم اور ریختی میں بیگم تخلص کرتے ہیں آپ کے
اجداد شیروال سے آئے تھے اور کتاب خوانی کرتے تھے۔ بیگم کے والد
کا نام حسین مرزا تھا اور نواب فخر محل و نواب خاص محل محلات عالیات
واجد علیشاہ کی سرکار میں کتاب خوانی پر مامور تھے۔ بیگم ۱۸۵۷ء میں لکھنؤ
میں پیدا ہوئے کلکتے کے مٹیا برج میں واجد علیشاہ کے زیر سایہ پرورش
پائی، بارہ تیرہ سال کی عمر سے ریختے کا شوق ہوا باپ سے چھپ
چھپ کر شعر کہنے اور آغا حجو شرف کو دکھلانے لگے،
ملک الدولہ کے پاس خانم جان کو ریختی پڑھتے سنا تو یہ شوق بھی چرایا،
دیوان جان لیکر مطالعہ کیا اور ریختی بھی کہنی شروع کی، اور لگے مرزا علی بہادر
گلشن الدولہ کو کلام دکھانے ۱۳۱۵ھ میں پٹنہ میں نواب لطف علیخاں
کے بیٹے ابراہیم علیخاں نے ایک مشاعرہ کیا یہ بھی بلائے گئے تین دن رات
مشاعرہ گرم رہا، بیگم نے دو رباعیاں پڑھ کر مشاعرہ میں دھوم مچا دی۔

جاہل شاعر ہوئے پوربی کے سیٹھ ۔۔۔ اوروں کے کلام کو ٹکڑے دے دبا بیٹھ
تیرے ہی لئے کہی گئی تھی یہ مثل ۔۔۔ رکھوا لیا جیٹ کے بھروسے پیٹ

دیگر

جو شاد تھا اس کے دل کو ناشاد کیا ۔۔۔ محفل کو مشاعرے کی برباد کیا
کہوا کے جو دوسرے سے لایا تھا غزل ۔۔۔ آگے مجھ سے ہوئے نہ کیوں یاد کیا

دوسری رباعی سنکر حضرت شاد عظیم آبادی (خدا غریق رحمت کرے)

اور ان کے ساتھی بگڑ بیٹھے خوب خوب چوٹیں ہوئیں آخر میں مصالحت
بھی ہو گئی اور بیگم نے اپنی ریختی گوئی کی دھاک بٹھا دی کلکتہ اجاڑ کر
عظیم آباد گئے تھے وہاں سے بھوپال کا چکر کاٹ کر حیدرآباد دکن آئے
نواب محبوب یار جنگ بہادر مرحوم کے توسط سے دربار حضور نظام میں
باریاب ہوئے حضور نے ریختی سنی بہت پسند فرمایا دو ہزار کا بھاری
تلوان دو پٹہ مرحمت فرمایا مگر حضرت فصیح الملک داغ نے بیگم کو بڑھنے
نہ دیا اور یہ بھی کچھ ایسے بگڑے کہ حیدرآباد کو چھوڑا انہیں اب تک نعم جود
ہیں، دبلے پتلے آدمی ہیں دو شادیاں کیں۔ ہز اکسی لنسی مہاراجہ
سرکشن پرشاد، نواب سر سالار جنگ بہادر وغیرہ خبر لیتے رہتے ہیں۔
بیگم کے مزاج میں اب تک ظرافت باقی ہے قویٰ بہت گھٹ گئے
ہیں، کان جواب دے رہے ہیں، آنکھیں بھی کچھ کچھ ساتھ چھوڑ رہی
ہیں۔ ہوش و حواس بھی ذرا کھوئے جاتے ہیں، مگر طبیعت ہے کہ برق
بنی ہوئی ہے۔ ہمیشہ شعر سنانے تیار ہر وقت غزل کہنے آمادہ، خاکسار
کے کرم فرما ہیں جب ملتے ہیں کچھ نہ کچھ سناتے ہیں اب اپنا کلام ترتیب
دے رہے ہیں خدا کرے کہ جلد مرتب ہو کر شائع ہو جائے، واقعہ یہ ہے کہ
آجکل یہی ایک ریختی گو رہ گئے ہیں اور وہ بھی چراغ سحری، غدر کی
پیدائش بھلا کب تک جیئں گے، خدا انہیں دیوان شائع کرنے کی صحت
دے۔

بیگم کے حیدرآباد آنے کے کچھ دنوں بعد مہاراجہ چندو لال بہادر کی

بارہ دری میں ایک عظیم الشان مشاعرہ ہوا جس میں صاحب عالم مرزا خورشید عالم بہادر بھی شریک تھے دلّی اور لکھنؤ کی زبان کی بحث ہوئی بیگم نے لکھنؤ کی طرفداری میں زمین و آسمان سر پر اٹھا لیا ایک طویل ریختی بھی لکھ دی یہ ریختی نہایت نفیس اور کارآمد ہے ملاحظہ ہو،

سناتے ہو مجھے باتیں ہزاروں — کہوں میں بھی جو کچھ اپنی زباں سے
تو اس دم کرکری ہو جائیگی بس — سبھوں کے سامنے میرے بیاں سے
جسے کہتے ہیں اُردو ہے وہ لشکر — سنی باتیں جو لشکر کی زباں سے
اسی کا نام اُردو ہو گیا ہے۔ — کوئی منکر نہیں میرے بیاں سے
ہوئی جب چھاؤنی دہلی میں اے بی! — وہاں لوگ آ گئے سارے جہاں سے
ہوا ہر قوم کے لوگوں کا مجمع — کوئی کابل کوئی مازندراں سے
عرب تھا کوئی اور کوئی عجم تھا — کوئی شیراز کوئی شیرواں سے
جو کہیں آپس میں ان لوگوں سے باتیں — تو اُردو کی زباں نکلی یہاں سے
زباں یا سست سنجا بھونا ہوا تھا — کہ گرما گرم آیا ہو دکاں سے
نمک مرچیں ملی ہیں لکھنؤ میں — کہ اب تک اُبال اٹھتی ہے زباں سے
وہ اُردو تھی کہ ایک لکڑی کا چھیلا — نہ نکلے جسکے کانٹے باغباں سے
تراشا لکھنؤ والوں نے اُس کو — تمہیں کیوں فخر تم لائیں کہاں سے
مری جاں لکھنؤ والوں کے آگے — بہت مشکل ہے کچھ کہنا زباں سے
نہ کہتا اب کبھی میں اصل زباں ہم ان — ذرا للو کو روکو اُس بیاں سے
میں اپنے وقت کی زیب النسا ہوں — جواب اپنا کوئی لائے کہاں سے

یہ کہنا ہے بہت بے جا دوگانا!   کہ "اچھی ہو لیں ہی سارے جہاں سے"
نہیں کرتا زمانے کا ہے دستور   ثنا اپنی کوئی اپنی زباں سے
ہے فضّلنا[1] بڑی رولی میں آیا   ذرا پوچھو میاں! حافظ میاں سے
کیا خالق نے پیدا ایک پر ایک   سُنا میں نے یہ آتوں کی زباں سے
زباں کے خاندکی ہے جورو عورت   اگر ہو لکھنؤ کے بوستاں سے
زباں کے ملک کا سکہ ہو عورت   انوکھا ہے چلن سارے جہاں سے
زباں کا فیصلہ ہے عورتوں پر   یہ باتیں مردوے لائیں کہاں سے
زباں اُن کی ہو حصہ بیگموں کا   لڑائے کیا زباں کوئی زباں سے
نگوڑی سوت جل ٹھگڑی کے ہاتھوں   بتنگ آئی بہت اب میں یہاں سے
یہ بیکاری بنی ہے سوت میری   نکلتی ہی نہیں میرے مکاں سے
وطن چھوڑا اسی شفقت کے چلتے   دکن میں آئی میں ہندوستاں سے
چھوڑایا مجھ کو پیاروں سے اسی نے   چھپا کے منہ چلی آئی وہاں سے
موئی کو لاگ مجھ سے ہو گئی ہے   یہاں بھی آن لپٹی میری جاں سے
سند اُس نے مجھے دی مفلسی کی   نتیجہ خوب نکلا امتحاں سے
غرض ہونا ہے جو ہو جائے مجھ پر   یہ کچھ کہتی نہیں اپنی زباں سے
میری اب پرورش فرمائیں آصف   کنیزی میں ہوں میں پیرِ آسماں سے
تو میری مفلسی اس طرح بھاگے   کہ جیسے تیر چھٹتا ہے کماں سے

---

[1] فضلنا بعضکم علیٰ بعض کی طرف اشارہ ہے۔ (تمکین)

جو مجھ کو عرض کرنا تھا کیا بس
دعا بیگم یہ ہے دل سے زباں سے
بجے چاروں طرف آصف کا ڈنکا
خراج اس کو ملے سارے جہاں سے

اس قصیدے نے دہلی اور لکھنؤ والوں میں ایک آگ لگا دی ایک کھلبلی مچ گئی حضور بندگان عالی نے ایک فرمان نافذ فرما کر رفع شر فرمایا۔
بیگم کی بذلہ سنجی جاں صاحب سے کسی طرح کم نہیں بلکہ بعض دفعہ تو جان سے کہیں آگے نکل جاتے ہیں،

مرد ہو سے تلوار کا کس بل نہیں دم خم نہیں
بل ہے بیوی پہ تو ہو بندی کو اسکا غم نہیں

زال او بیشک ہے تو بیٹا اگر رستم نہیں
یار دو دو جورؤں کا اور کہیں خم نہیں

پھر موئی عورتوں پر جو ہو تھوڑا ہی ظلم
کونسلوں میں جب تجھے کچھ خانہ نشیں بیگم نہیں

ہاتھ میں جن کے قلم ہے بات میں جن کی اثر
ایسے بھی وہ عورتیں بھی دوں کچھ کم نہیں

ہو یاں بہری لیکن ان کی مجلس کچھ نہیں
چند تصویریں ہیں حیراں اور کوئی ماتم نہیں

جنگ سے بہتر صلح بدتر نوج ہو لیا ملا
کونسا دن ہے یہاں کل چین نہیں ادھم نہیں

کھنڈ ہمرا سے بھی چم آئیں تجھ قتل میں میری
وقت کے اپنے تجھے اسکندر نہیں دم خم نہیں

دل کسی کو کیوں دیا بی ہاتھ ملتی ہو جب
جہیز ابھی جب تک اپنے پاس ہے کچھ کم نہیں

تیری باتوں کے میرے دل میں ہزاروں گھاؤ ہیں
اور پھر بخیہ نہیں ٹانکے نہیں مرہم نہیں

سوت بازی مجھ سے لیجائے خدا کی شان ہے
وہ ہے جھنجھٹ بھی اگر ہیں بھی کچھ اس سے کم نہیں

[illegible]

پہونچے نہ جہاں وہم وہاں تیرا گزر تھا
واری گئی تجھ پر تو ملک تھا کہ بشر تھا

قطرے میں تھا انسان پڑا پیٹ میں جس دم
روتا ہوا جب گود میں آیا تو بشر تھا

صدقے گئی اللہ نے پروان چڑھایا
سچ پوچھو تو یہ میری دعاؤں کا اثر تھا

برسات میں سمدھن بڑی تکلیف اٹھالی
تم کیوں نہیں آئیں اجی نانی میرا گھر تھا

میں جاتی ہوں میکے نہ یہی ہو نہ رہو گی
اب تک جو دیا ساتھ یہ میرا ہی جگر تھا

کرلی تھی ادھر کا ادھر دیکھ رہی تھی
اے چھوکری اس وقت تیرا دھیان کدھر تھا

جھک مار کے پھر کیوں مجھے تم بیاہ کے لائے
رہنا ہی تمہیں گھر میں نہ منظور اگر تھا

معراج کی شب سنتی ہوں احمد بیاں حد میں
تھا میم کا پردہ یہ ادھر تھے وہ ادھر تھا

ملنے کے لئے کل ہی گھر آئیں جو بیگم
کچھ نفع تمہارا تھا نہ کچھ میرا ضرر تھا

کھٹکتا ہے جو کانٹا سوت کا مشکل سے نکلیگا
نہ میرے دل سے نکلیگا نہ اسکے دل سے نکلیگا

ذرا چولیں اُس کا سوائے لی دیا دیکھتی کیا ہو
لیا ہے پہن بچے نے بڑی مشکل سے نکلیگا

پڑا رہتا ہے گھر میں ان چھچھوندر سے تو رہتا ہے
کسی کا کام کیونکر اس نگوڑی کال سے نکلیگا

نہ ڈالیگی ارے تھوڑا سا پانی چھوکری جا کے
سالا ہو گیا ہے خشک کہیں گر سل سے نکلیگا

لکھا جو کچھ پڑھا لی کچھ ہو تم بھی کوا تو جی!
سبق مشکل بہت ہے کیسی فاضل سے نکلیگا

پلاؤنگی اُسے شربت کے بدلے زہر کا پیالہ
بُری ہی سخت جان ہے سوت مشکل سے نکلیگا

اٹھا پردہ تو لیلیٰ کی عصمت کا یقین آیا
پتا مجنوں کو گھماں تھا مرد و امحمل سے نکلیگا

پڑھیگی ریختی بیگم تو اک تعریف کا نعرہ
کسی کے منہ سے نکلیگا کسی کے دل سے نکلیگا

پری

پری تخلص چھمن نام دہلی کے رہنے والے تھے۔ صاحب عالم مرزا رحیم الدین حیا سے تلمذ تھا۔ ریختی میں مشاق تھے۔ چالیس برس قبل ان کی شاعری کی دھوم تھی۔

دنیا مگر دوسے ہیرا و پر فدا ہوئے
مجھ آشنا مزاج کے سب آشنا ہوئے

اب کے تو مردوے ہیں دغا باز بے وفا
اگلے تماش بین خدا جانے کیا ہوئے

دن کو ہی آتا تھا مجھے ماہِ صیام میں
در گور مردوے مرے روزے قضا ہوئے

(گلستان سخن صفحہ ۱۶۴ سخن شعراء صفحہ ۶۸)

پھپھن

مولوی غلام مقبول خاں صدر امین ضلع میرٹھ مرحوم خلف مولوی غلام سبحان متخلص بہ تحسین صدر الصدور بریلی باشندہ ضلع میدنی پور بنگال اور مولف تذکرہ سخن شعراء کے دوستوں میں تھے۔ بیشتر ریختی کہتے تھے۔ ۱۲۸۸ھ میں انتقال کیا۔

سخن شعراء میں چار شعر ریختہ کے ہیں مگر ذیل کا ریختی شعر خندۂ گل میں انہیں کے نام سے لکھا ہے۔

بوا کتنے مرجائی یہ مردوے ہیں
کوئی نوچ لیں انکے نخرے اٹھائے

(سخن شعراء صفحہ ۹ ۔ خمخانۂ جاوید جلد دوم صفحہ ۱۲۸ ۔ تذکرہ خندۂ گل صفحہ ۱۲،۱۳)

ثریا

جمیعت علی نام، جھجر ضلع رہتک وطن تھا غدر سے پہلے حیات تھے خوش وضع سپاہی منش بزرگ تھے۔ جان صاحب کو سن کر ریختی کہنی شروع کی تھی خوب کہتے تھے۔

کنگھی چوٹی مسی اور سرمہ کی کس کو دھن نہیں
اے بوا اب کنواریوں میں کنواریوں کے گن نہیں

مجھ بختی کو جلاتی ہے سدا وہ جیسے
میری سوتن کے الٰہی یونہی آگے آئے
دن گذارا تھا جہاں شب کو بھی رہ جاویں
ہانپتی کانپتی کیوں رات کو بھاگے آئے
شام سے سو رہی منہ پھیر کے مردوں کی طرح
آئے تو گھر میں کوئی رات کے جاگے آئے

دل میں یہ سوچیا لاڈو تو نہ زنہار کہیں
کنواریاں خود تو بسانی نہیں گھر بار کہیں
ان کو آنا ہی تو آجائیں وہ گھر ہی انکا
مجھ کو کیا کام ہی جائے میری بیزار کہیں
آج کل کنواریاں بیگم بڑی جیتیسی ہیں
سنکنی ہوتی ہی کہیں کس لئے ہیں اقرار کہیں
دن کو ہر کام میں کیوں اونگھتی ہو پھر ماما
رات بھر جاگی ہو نہیں ہو جو یہ مردار کہیں

ماما کا ہے کو ہی کٹنی ہو یہ اچھی خاصی
تجھ کو کر دائیگی اک روز گرفتار کہیں
تیری جوتی ہے ثریا جو وہ ہر جائی ہو
ڈھونڈ لے تو بھی کوئی اور طرحدار کہیں

عمر بھر سسرال میں جلنا پڑا ناشاد کو
مارا بچی کو مری سوتنا سے اس داماد کو

سوتنیں جو مرا غم کرتی ہیں
میرے جھونڈے پہ کرم کرتی ہیں

(خندۂ گل، ص ۱۴۱، ۱۹۵۱ء)

جان صاحب

میر یار علی نام، جان صاحب تخلص، باپ کا نام میر امّن تھا۔ فرخ آباد میں ۱۲۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں لکھنؤ گئے، نواب عاشور علی خاں بہادر کو کلام دکھانے لگے۔ آخر عمر میں رامپور جا رہے اور تریسٹھ سال کی عمر میں (۱۲۹۶ھ میں) وہیں مدفون ہوئے۔ سنا ہے کہ ریختی بنا بنا کر پڑھتے تھے۔ ریختی کو مکمل کرنے اور اس میں ہر قسم کے مضامین پیدا کرنے کا فخر جان صاحب ہی کو حاصل ہے۔ اگر انہیں "ریختی کا شاعرِ اعظم" کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔ کلام اس قدر مقبول ہوا کہ جان صاحب کے حالات کہیں نہ ملینگے مگر کلام ہر جگہ ملجائیگا۔ شاید ہی کوئی اردو داں ایسا ہو جس کے پاس دیوانِ جان نہ ہو۔ میرے پاس چھ نسخے دیوانِ جان کے موجود ہیں جن میں سے دو تو نظامی پریس بدایوں کے چھپے ہوئے ہیں اور بقیہ لکھنؤ، کانپور، حیدرآباد وغیرہ کے۔ سرسری طور پر چند شعر انتخاب کر کے پیش کئے جاتے ہیں۔

گلستانِ سخن صفحہ ۱۸۴، قطعۂ منتخب صفحہ ۳۶
نغمۂ عندلیب صفحہ ۶۷، سخن شعراء صفحہ ۹۹ تا ۱۰۱۔
خمخانۂ جاوید جلد دوم صفحہ ۲۰۱، طبقات الشعراء صفحہ ۲۳۲
قاموس المشاہیر جلد اول صفحہ ۲۶۶

سر پھوڑ کر لہو کی بہاؤں گی ندیاں
ایسا نکھٹو پلے سے میرے بندھا ہوا
وہ جانصاحب آئی ہے ریختی کی دھوم
پہنچی کہوں چراغ بٹے کی ہے جو بیچ میں
ہولی تھی تجھ کو عید سمندر میں اس گھڑی
جو چاہیں اپنا زور یہ لاہور میں کریں
مستی خراب ہوتی ہے کو کا تو ڈھونڈ لا
پھل دینی بھائی سے بھی تجھ کو ملا بہار
وہ دل درگور جنہاں نے سیکھی تمنا الفت کا
خصم وہ چھوڑ کو لگا اسے ہوا جو بیر لگایا ہے
لگا بیٹھا ہر اس حسب یہ صورت زہر لگتی ہے
کٹا ہے صبح سے رو رو کے یہ دن شتابی فرنگستن
بدل گئے آنکھ طوطے کی طرح ہٹ میں لگا کرنے
اگر دوزخ نہ ہوتا قدر کرتا کون جنت کی
نہ مانو پھر کم بچی کے حق میں کانٹے بوئے ہو
بڑھاپا کیوں زلیخا سو ہوئی ضائع یوسف کو
کلو ارنی یہ مرتا ہے تف اسکی ریش پر
آتا خدا کے گھر میں جو ہوتا ہمارا دخل
ساتھ رہتا ہر سگا تم کے وہ سایہ کی طرح

گر بال بیکا ہوگا ابھی میرے لال کا
الٹا پڑا ہے جھگڑا گلے روٹی دال کا
سندر میں جیسے شہرہ ہو پر جانتیاں کا
محرم کی جب کٹوری میں جگنو نظر پڑا
ٹھیرا جہاز جب کوئی ٹاپو نظر پڑا
گئے میں اب تک ایک نہ ہندو نظر پڑا
سوسن کو طاق میں نہیں بازو نظر پڑا
دنیا میں ایسا کوئی نہ لاگو نظر پڑا
کسی دشمن کے دشمن کو نہ ہو آزار چاہت کا
بری جس سے کرے گا سامنے ہوگا ذلت کا
کہیں بشاط کر سیفا ہر اب مصری کی نیت کا
اٹھی جب سے کے سنہ دیکھا عجب کمبخت راحت کا
اٹھ رے دنیا سے جلدی تا بھلا ایسے ہمت کا
ہے اندیشہ سوص کی غفلت ہے ہو جانم کی سخاوت کا
نہیں یہ وقت ہی ایسا کہ ہے جب تب صفا مروت کا
کیا خانہ خراب اس کو دکھایا کوچہ الفت کا
قاضی کے گھر میں کیوں نہ ہو چرچا شراب کا
پانی کے بدلے پینے پر بستا شراب کا
عشق ہوتا تو وہ ٹھو دل کے برابر چلتا

دیتا خدا کی ہے رزّاق ہی سو دی میرا — خرچہ اس بندی کا کیا وہی ہے اب سر چلیتا
پنجتن پاک کی ہو آس مجھے اے باجی — جنکے صدقے میں ہے سارا ہی تیر چلتا
جان صاحب جس سے کہاں جاتی ہے نیکی بدی — ریختی سچ مچ تری پانسا ہی یہ رمال کا
اجڑا ہوا آبادی کا جب گھر نظر آیا — رونے لگی ہیں دیکھ کے جی میرا بھر آیا
کل رات کو خفت جو اٹھائی تھی وہ گیا تھا — کچھ کھا کے دوا آج دکھانے اثر آیا
دل شیر ہوا میرا کہ سکے ہیں اب آپ بی — ڈولی ہیں سنا میں نے جو رستم نگر آیا
پریوں کا طبق چھوڑ دو نگی لوانی ہو جاؤ — کچھ کھوٹ ہی جو خواب میں دربا نظر آیا
پکا نہ تھا کچا تھا وہ جن اے پری خانم — کل سر پہ چڑھا آج نگوڑا اتر آیا
اے جان کبھی تھا وہ میرے حسن کا عالم — آنکھیں تو ہرن دیکھنے جیتا کر آیا
بخار سایہ کا ہے تم کو اے پری خانم — کبھی ہے آتا کبھی بیشتر نہیں آتا
ہمارے اس کی تو منہ دیکھنے کی محبت ہے — مہینوں لے لوا وہ بیخبر نہیں آتا
کمر کا ہووے جو مضبوط اور دکھائے مزا — مجھے تو اتنوں میں کوئی نظر نہیں آتا
گرگٹ کی طرح کالا کبھی لال ہو گیا — غصہ سے مردوے کا عجب حال ہو گیا
جو قدردان اپنے تھے اے جان چل بسے — جب تو ہمارا اندنوں یہ حال ہو گیا
آرزو بندی کی خالق سے ہے اک یہ میری سوت — کھا لیے پھل تلوار کا اور پھول سونگھے ڈھال کا
کھلتی ہے جبھی ٹھوکریں کھانے کی حقیقت — سر پہ جو کوئی چاہنے والا نہیں رہتا
اک پیٹ رہی ہمکو تو سو خطرے سے ہو پیدا — مردوں میں تو کوئی بھی کسنا نہیں رہتا
اترا ہوا ہے چہرہ کل سے کمال تیرا — جی ہے نڈھال تیرا کیا ہے یہ حال تیرا
ق
گئی تھی دیکھنے باجی میں سورج گہن کا میلا — بچی ہیں لسٹے پیٹے مردوں کا ہم ہو اریلا

خورشید کیا کہوں انہیں آنکھوں کے سامنے
والی نفقن دل کو سنبھال کر رہا سکا نہ حمل
کرتی ہو کنگھی چوٹی بڑھاپے میں ہکما
لیتے کی مولوی نے فضیلت کی لاگ سے
لے کے دل ہو گیا بیگانہ نہ اپنا نکلا
ہیوں میں تل ہے ماہتاب کی بھی یہ کہو
روئی بچپن میں جب تھی ہوں طوفان آیا
ہر گئی سوت تم کو تم نہیں بھولا مجھ کو
دلہا نے جب دلہن کو زناخی کیا سوار
گڑیا سنوار دونگی اری بھیک مانگ کے
بی بی باندی بن گئی اور باندی بی بی بن گئی
صدقے خالق کی ہوا کیا نہیں خالق نے کیا
بین اس کی گھٹی اس کا ہوا اسکے سامنے
چھلا چڑا دو سونے کا دولہا کے سامنے
مینہ کا برسنا اور وہ پینا شراب کا
بڑی بی بس میں تجھ میں ایسی کہ نیچ ہو جسے سوچل ہلا
عشق حسن دل سے کیا کیا کہوں کیا کیا ہوا
دیکھ کے ایسی ہوئی آپ یہ عاشق مرزا
ایسا لہو زمانہ کا اسے ہو گیا سفید

گرگٹ کی طرح رنگ زمانہ بدل گیا
ننھا سا لڑکا خواب میں کل بیٹ ملا گیا
رسی زناخی جل گئی پر بل نہ بل گیا
دق ہو کے مدرسے سے الٹا خاں نکل گیا
جس سے کی دوستی دشمن ہی نگوڑا نکلا
چاند کی بیٹی میں خورشید تارا نکلا
ایڑیاں پٹکے جہاں رگڑیں وہیں چشمہ نکلا
جان صاحب کبھی دل سے نہ یہ کانٹا نکلا
ہمجولیوں کے رونے سے کہرام ہو گیا
شاطر کہا اور دہر تو سر انجام ہو گیا
سیٹھ بننے سے زناخی اکیلا نصیبا چمک گیا
خاک سے آگ سے پانی سے ہوا سے پیدا
لکھ پڑھ دیا زبانی بھی اقرار کر دیا
بہن نے دلہن یہ دو بہنی کو وار کر دیا
تھا کیا ہی عیش باغ میں جلسہ شراب کا
جمالی اماں میں تری لوں گا وہ تھوڑا سا مجھ کو پیارا
غیر کی یاد میں سارا ہوا کنبا بھولا
اپنا سب یہاں ہستی کا بھی تماشا کھولا
دشمن ہوئے ہیں تجھ سے یہ سجا آشنا

جہرن سی سرخ چاندنی خانم ہوئی سفید
کچھ سایہ ہو گیا اسے چولہے میں جائے باغ

سنبل لٹا پیچتم ہے چوٹی کا گوندھنا
چوٹی کی موڑتی ہے میری نوبہار زلف

لاکھوں ہی مردوے تجھے دیتے ہیں نقد دل
اللہ ری کیا بڑا ہے تیرا اختیار زلف

سنبل لٹا نہا کے نچوڑے جو تو نے بال
پانی کی بوندیں ہوتی ہیں اور ابر دار زلف

مشکل نہیں ہے شام برن یہ زمین کچھ
جوڑی کی طرح باندھوں جو کہ لاکھ بار زلف

گوٹے کناری سے نہ تجھے ہے کرن سے شوق
کپڑا سفید بھاتا ہے اور سادہ پن سے شوق

جگنو نہ بازو بند علی بند سے نہ کام
زیور میں تجھ کو باجی ہے اک تن تن سے شوق

جو نہ ماں باپ کا بیٹے ہو مانی سچ ہے
اوہی کیا ہوئیگا جورو کا نگوڑا عاشق

مجنوں لیلی پہ ہوا شیریں پہ فرہاد ہوا
جان صدقہ ہوا کیا تجھ پہ انوکھا عاشق

حسن دریا ہے اسے بوا خضر و
دل کی کشتی کا ناخدا ہے عشق

بنو لذت اٹھاؤ گی آگے
اب تو نام خدا ہوا ہے عشق

لاکھ بھوتوں کا ایک بھوت ہے یہ
بچے جن سے بھی بس سوا ہے عشق

یہ حسن کہے ہیں گا یک مردوں کو خوب دیکھا
یوسف بنا رہے گا بی بی غلام کب تک

ڈولی کے پاس آ گئے لگا کہنے اک ہوا
احسان ہو چلو جو ہماری سکا نتک

برسات کا ئی رو رو کے اس گھر میں آ بنے ہوا
پانی تھا گھٹنے گھٹنے کہیں ان کان تک

شہر والوں کے آگے خاک سے ہمے
باجی اماں کسی گنوار کا رنگ

چھینا پھر اسکے لیگئی چینیا کلی میری
چھپتا نہیں ہے جو رکا بھی زنہلا جھنگ

کالا ہو یا کہ گورا پسند آئے دل کو جو
اس پر نثار کیجیے ستر ہزار رنگ

منہ زرد آنکھیں لال کھچے کپڑے ہی اداس
ہوا اشراف کے جو ہیں تکلیف سے کب
گیلے سوکھے دو تو جلتے ہیں ہوا اس کار میں
برسوں بچی کو نہیں پیار کچھ کرتے ہیں
لال پیلے مجھے غصہ سے دکھا کر دیے
ملا تھا ایک ہی لیلی کو اسے دو مجنوں
چولی کا بوجھ وہی اٹھائے جو یہ کمر
جیسا تمہارا نام ہوا ہے نہ ہووے گا
خدا نے ہاتھ دیے ہیں بدن کھجانے کو
عجب طرح کے سخی دیکھے اس زمانے میں
دال آٹے کا سنو بھاؤ ابھی تم کھلتا
کیسا ڈری ہوں رات کو آئیں جو خواب میں
جی سے بھاتے ہیں یا جی تمہارے ہاتھ پاؤں
اے دوگانا جان دیکھیں کس کی مہندی خوب ہے
مری ماما نے نکالی ہے نئی مجھ سے جیٹھ
بھٹیاریوں کی طرح خواصیں لڑیں ہیں آج
اے جان لکھنؤ سے نکل جاؤنگی میں اب
قتل ہیں مانگ میں زنانہ حق ــــ کے
سمجھ صاحب گلے پڑی اے جان

عاشق کے بوجینے کے ہوا ہیں چار رنگ
زنگ میں لاکھ ہو چھپتی نہیں تلوار اصیل
بی اجالی نت رہا آنند بہر بار میں
پیار بھی کرتے ہیں تو کان میں تو کرتے ہیں
کھانا پینا سیر کیوں آپ لہو کرتے ہیں
ہزاروں ایسے تو وحشی ہمارے گھر میں ہیں
ہوتا نہیں ہے اتنا بھی جو وہاں پان میں
اے جان کوئی لاکھ کہے اس زبان میں
خرابی پیسے کی ہے پشت کھا لیتے ہیں
نگوڑے سے سو ہم کی پگڑی اتار لیتے ہیں
چاہنے والے ابھی جبکہ مجھ پہ جاتے ہیں
مجھے گوری گوری عورتیں کچھ نہ سکالی کا لیا
گورے گورے ننھے ننھے پیارے پیارے ہاتھ پاؤں
سرخ ہوتے ہیں ہماری یا تمہاری ہاتھ پاؤں
بھیجتی ہوں کہیں چالی ہے یہ مردار کہیں
مرزا یہ سیر دیکھی کبھی عمر بھر نہیں
اوقات مجھ نجنتی کی ہوتی بسر نہیں
کنہیا نے کھڑا ہے گوکل میں
سمر دھکا کیوں ہے کشمیری کونسل میں

حزیں

تیس چالیس برس اُدھر ریختی کہا کرتے تھے، اور حالات نہ مل سکے۔

پہنا گلے میں تم نے جو پھولوں کا ہار ہے — سمدھن تمہارے حسن پہ کیا ہی بہار ہے

ہوتی ہے بیڑی مکر کرو سیدھی طرح سے بات — گھوڑی پہ آج باد کے سمدھن سوار ہے

سمدھی بتاؤ تم کو یہ کیسی ہے بے کلی — آرام تم کو اور نہ اک دم قرار ہے

سوکھا ہی اُس نے پار اُتارا رقیب کو — سمدھن ہماری خوب سلیقہ شعار ہے

سمدھن حزیں سے تم نہ لگاوٹ کرو ذرا
لائق تمہارے منہ کے کریلا کھار ہے

(خندۂ گل صفحہ ۱۹۹ و ۲۰۰)

خاکی

سید محمد قادری نام، محمد صاحب عرف، ابن سید جمال اللہ قادری ولی کے صاحبزادہ اور دکنی بزرگ تھے۔ آپ کا دیوان نواب صدر یار جنگ بہادر (جناب شیروانی) کے کتب خانہ میں محفوظ ہے جو ۱۱۴۲ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس دیوان میں ایک غزل ریختی بھی موجود ہے۔

اردو یا دکھنی میں سب سے پہلے عورت کی زبان نظم کرنے کا فخر خاکی ہی کو حاصل ہے اور موجودہ تحقیق کے لحاظ سے انہیں کو ریختی کا باوا آدم کہا جا سکتا ہے۔

پیا بن اے سہیلی انجھوں سے کہ ہوتی ہوں
کبھی میں منتظر گھر اندھار دیکھ روتی ہوں

کہو پیو سیں ظاہر ہو سب حال سات سکیاں
جنم سب ہجر میں غم کے نیر سن تیت کھوتی ہوں

پو جاری عین ممکن ہو ملی جب دیکھیا لاسو
بہتی سوکن ہو کی تب میں ننگ ہو ستا سوتی ہوں

رہوں میں کیتلک جھڑتی جلا کر دل انگیٹھی کرتی
کر اب غم کے پہاڑ و شیر بھلا ہے سر پڑتی ہوں

رہوں کیوں ابتدا میں سے جب انتہا مجھ کو
فنا فی الشیخ ہو کر میں بقا باللہ ہوتی ہوں

سجن کا درد کرنے کو محبت کے پورے رشتے میں
سہاگن ایسی سکیوں کوں اپنے پلکوں پرتی ہوں

درخت عاشقی کوں میں فقر کے پھول [illegible]
نشا و کشا کر دل میں اپنا اور تخم عشق بوتی ہوں

کروں ممکن کہ ساقی کبھی سیر لدی کا
چیلوں بات کے بیری کی [illegible] سب اپنی [illegible] ہوں

مدد سوں شاہزادہ کی ترقی پا کے آ خاکی
کبھی وحدت کے دریا میں ایسے بن ڈبوتی ہوں

(سالنامہ رہبر دکن ۱۳۴۸ف ۱۹۲۹ء حیدرآباد دکن - گل رعنا ص ۱۱ و ص ۲۳۵)

خانم

عبداللہ خان نام تھا۔ ریختے میں مختصر اور ریختی میں خانم جان تخلص کرتے تھے رام پور کے متوطن اور لوگوں کے شعر اپنے نام سے پڑھنے کے عادی تھے۔ ترتیب تذکرہ سخن الشعرا کے وقت زندہ تھے اور مولف کے ملاقاتی تھے۔ بیگم صاحب فرماتی ہیں کہ خانم بڑے تاریخ داں تھے اور تاریخ کا مطالعہ نہایت اچھا تھا۔ فقیر منش آدمی تھے جو کچھ ملتا راہ خدا میں دے ڈالتے تھے مدرسہ عالیہ کلکتہ کے بچوں کو بہت روپیہ دیا کرتے تھے۔ افیون اور شراب کے عادی تھے اور اپنے تئیں غالب کا شاگرد بتاتے تھے۔

کیا بُرے ہیں یہ جلے دل کے جلانے والے — اور یہ آگ ہیں آگ آئے لگانے والے

ہاتھ باندھا کرو مہندی نہ لگاؤ گی کبھی — پاؤں پڑ پڑ کے یہ ہیں رنگ جمانے والے

جاؤ گے ٹھنڈیاں کسوا کے ذرا چھیڑو دیکھو — لو بڑے آئے مجھے ہاتھ لگانے والے

سر سے اٹھا نکو گے اس منہ سے زبردستی تم — جوتیاں کھاتے ہیں ٹانگوں کو اٹھانے والے

کہنے سننے پہ کسی کے نہ تم آنا خانم
آگ پانی میں لگاتے ہیں لگانے والے

کہیں تم جیو چاہیں بچھیڑ تمھوان سے کہہ دینا — مری اچھی لوا یہ مرد و مطلب کے ہو لیا

(سخن شعرا صفحہ ۱۲۰ و ۱۲۱ - مقدمہ دیوان جان صاحب صفحہ ۴۲ و ۴۳)

دوگانا

اسد اللہ نام علی جان عرف ابن منشی علی حیدر مرحوم ریختے میں سحر اور ریختی میں دوگانا تخلص کرتے تھے جبیحڑہ ضلع ہگلی میں رہتے تھے آبائی وطن دہلی تھا۔ مگر یہ جبیحڑہ میں پیدا ہوئے کلکتہ میں تعلیم پائی عبدالغفور نساخ سے تلمذ تھا، صاحب دیوان تھے۔ ترتیب تذکرۂ سخن شعرا کے وقت زندہ تھے۔

رات کو ایک نگوڑے سے نٹ کھٹ نے صحن میں پا کے بے حجاب مجھے
چھتیاں لیں گلے سے لپٹا کر پھر لیا زانوؤں میں داب مجھے
منتیں کیں ہزاروں قسمیں دیں کر کے چھوڑا مگر خراب مجھے

سو بہانے تھے گر آتے تو ہزاروں ڈھب تھے لاکھ صورت سے اجی بات بنائی ہوتی

(قطعۂ منتخب ص ۳۲۳ و ۱۰۳)
(سخن الشعراء ۱۹۵۴ ص ۱۳۶)

رحیم

ولی اور رحمن کے معاصر تھے، "خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم" میں انہیں ریختی کا موجد لکھا ہے۔

اری ناداں میں اپنے سجن کو کیوں رُٹھایا ہے
رُٹھا کر پیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہے

بہت پچتائیگی میری نصیحت ماں کہتی ہوں
سکی کو رات سوہی ہے پیارے کو جو بہایا ہے

تیرے سوں ہوئیگا تجھ مہرباں او پیر روٹھیگا
روٹھائے کو منائے بن تجھے کیسے سلایا ہے

کیا کچھ یا سمجھ اچھوں سیانت ہے سجن مل
رحیم اپنا کرم کر لے سوئیں نے تجھ بتایا ہے

(طبقات الشعرا ہند ص ۹۵)
(شعرا الہند حصہ دوم ص ۸۳)

رنگین

"سعادت یار خاں نام رنگین تخلص تھا ان کے والد مرزا طہماسپ بیگ خاں توران سے آکر چند روز لاہور میں نواب حسن الملک میر منو خاں کی سرکار میں ملازم رہے اوس کے بعد دلّی میں نواب ضابطہ خاں اور نواب نجف خاں وغیرہ امرائے دربار کے ساتھ توبت بہ نوبت آسودگی سے زندگی بسر کی"

"رنگین کی ولادت سرہند میں ہوئی مگر نشو و نما دلّی میں پائی۔ سپاہی کے بیٹے تھے شہسواری اور تیر اندازی میں خوب کمال پیدا کیا۔ گھوڑوں کے پہچاننے اور ان کے معالجہ میں اپنے زمانے میں بے نظیر تھے۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ شاہزادوں کی مصاحبت میں بسر ہوا کبھی کبھی تجارت کا شغل بھی کر لیتے تھے اسی تقریب میں لکھنؤ کئی بار آئے اور شاہزادہ سلیمان شکوہ کی سرکار میں عزت و احترام سے عرصہ تک رہے آخر عمر میں تجارت اور ملازمت سے سبکدوش ہو کر دلی میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور وہیں ۱۲۵۱ھ ۱۸۳۵ء میں اسّی برس کی عمر پا کر وفات پائی"

(گل رعنا ص ۲۶۴ و ص ۲۶۵)

رنگین اسم با مسمّی رنگین طبع اور عاشق مزاج واقع ہوئے تھے۔ اس لیے ریختی کی طرف توجہ کی چنانچہ اپنی ریختی کے دیوان کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

"بعد حمد رب العالمین اور نعت سید المرسلین بتا کید شعرائے نکتہ چیں سعادت یار خاں رنگین عرض کرتا ہے کہ بیچ ایام جوانی کے یہ"

"نامہ سیاہ اکثر گاہ بیگاہ عرس شیطانی کہ عبارت ہے جس سے تماش بینی خانگیوں کی ہے کرتا تھا اور اس قوم میں ہر ایک فصیح کی تقریر پر دھیان دھرتا تھا، ہر گاہ چند مدت جو اس وضع پر اوقات بسر ہوئی تو اس عاصی کو ان کی اصطلاح اور محاوروں سے بہت خبر ہوئی، پس واسطے خوشی انہیں اشخاص عام، بلکہ خاص کی بولیوں کو ان کی زبان میں اس بے زبان ہیچمدان نے موزوں کرکے دیوان ترتیب دیا بقول شخصے سے "گندہ بروزہ باخشکہ خوردن ہرچہ گندہ مگر ایجاد بندہ"۔

(دیباچہ دیوان ریختی رنگین انشا رص ۱-۲)

اس میدان میں وہ وہ جوہر دکھائے کہ ایک خاص طرز کے موجد کہلانے لگے چنانچہ تمام تذکرہ نویس متفق ہیں کہ ریختی ایجاد رنگین ہے۔ اور خود انہیں بھی یہی دعویٰ ہے، در اصل یہ صحیح نہیں ہے اس زمانہ میں ریختی عام ہو چکی تھی نہ صرف رنگین ہی "گندہ بروزہ باخشکہ" کی ایجاد میں مصروف تھے بلکہ اور لوگ بھی کام کر رہے تھے چنانچہ محمد صدیق قیس، نواب امیر الدولہ بہادر لائق وغیرہ کی اسی عہد کی ریختیاں موجود ہیں، ریختی کے دیوان کے علاوہ رنگین کی حسب ذیل تصنیفات موجود ہیں:

۱۔ دیوان ریختہ سنہ ۱۲۴۹ھ، ۲۔ دیوان بیختہ سنہ ۱۲۴۹ھ، ۳۔ دیوان آمیختہ سنہ ۱۲۴۹ھ، ۴۔ دیوان انگیختہ سنہ ۱۲۴۹ھ، ۵۔ مجموعہ رنگین سنہ ۱۲۴۹ھ، ۶۔ مجالس رنگین سنہ ۱۲۴۹ھ، ۷۔ امتحان رنگین سنہ ۱۲۴۶ھ، ۸۔ اخبار رنگین

۱۲۴۹ھ، ۹۔ شش جہت رنگین (جس میں حسب ذیل چھ رسالے ہیں، ۱۔ ایجاد رنگین،
۲۔ عجائب و غرائب رنگین، ۳۔ داستان رنگین، ۴۔ چہار چمن رنگین،
۵۔ بیختۂ رنگین، ۶۔ گلدستۂ رنگین) ۱۲۲۹ھ، ۱۰۔ نظم رنگین ۱۲۴۵ھ،
۱۱۔ خمسۂ رنگین ۱۲۲۹ھ، ۱۲۔ جنگ نامۂ رنگین ۱۲۴۸ھ، ۱۳۔ حکایت رنگین
۱۲۴۸ھ، ۱۴۔ نصاب رنگین ۱۲۴۸ھ، ۱۵۔ حکایات رنگین ۱۲۴۸ھ، ۱۶۔
سبع سیارۂ رنگین (حسب ذیل سات کتابوں کا مجموعہ ۱۔ تصنیف رنگین،
۲۔ گلدستۂ رنگین، ۳۔ سبحۂ رنگین، ۴۔ رنگین نامہ، ۵۔ ساقی نامہ، ۶۔
تجربۂ رنگین، ۷۔ کلام رنگین) ۱۲۲۹ھ، ۱۷۔ فرس نامۂ رنگین ۱۲۴۵ھ،
۱۸۔ مجموعہ رنگین کی چار تصنیفات کا (اس میں ۱۔ قوت الایمان، ۲۔
شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے قصیدہ کا منظوم ترجمہ، ۳۔ قصیدہ بانت سعاد
کا منظوم ترجمہ، ۴۔ سودا کا قصیدہ رنگین کی اصلاح اور ترمیم کے ساتھ)
۱۲۴۳ھ، ۱۹۔ انتخاب مثنویات رنگین (اس میں دس مثنویاں ہیں) اس طرح
رنگین کے تصانیف کے (۳۴) جلدیں انڈیا آفس لائبریری لندن میں
موجود ہیں۔

(فہرست ہندوستانی مخطوطات انڈیا آفس مرتبہ بلوم ہارٹ،
سخن شعرا ص ۱۹۴ تا ۱۹۶، قطعۂ منتخب ص ۳۳۳ و ۳۴۳، خمخانۂ جاوید جلد دوم ص ۲۹، طبقات شعرا
ص ۳۴۲، گلشن بے خار ص ۸۸، گلستان سخن ص ۴۴۳ تا ۴۴۴، نغز عندلیب ص ۹۹ و ۱۰۰، گل رعنا
ص ۲۶۴ و ۲۶۶، شعر الہند، قاموس المشاہیر ص ۲۶۶)

دوا کھائی نہیں ہے گرم دالی کی تو مجھ بتلا
نکھٹے سے کلیجہ کو کیا اس کے ہوا لوگو

میرے بخر کے نیس اُڑاؤ نہ کیڑے
رات کو لیتی ہو رسی کا نام۔

یار دوآپ کو یا جیتو تجھے۔
تیرے صدقے گئی رنگین غزل اک اور کہو

ٹیس پیٹرو میں اُٹھی اوی میری جان گئی
جس طرح سے رنگین کو لاجا کے یہاں تک

ستیاناس ہوا سے جاہ تیرا
میری اور میری زناخی کی ہے گر ٹونکا بیاہ

ہنڈیاں میں ہے جو تشبیسی کی بچوائی ہیں
اتنا بڑا سے سر ایک آتوں کی ناک یہ

آج تنا تیرا نہیں کوئی شغل توائے دوا
ریختی کہنی اچھی رنگین کا یہ ایجاد ہے

نکلا عید کا چاند جو گھر سے لشکر والا نکلا آج
تجھ کو روتا دیکھ کر بولی دوا آزاری نگہ

جب دوگانا باغ میں جلتی ہے میری ناز سے
مردوں کو جو کہا میں نے کہ ست تھا تک

دوا کیوں پھوٹتی ہے یہ تری نکسیر آئے دن
کچھ ان دنوں رہتی ہے دلگیر میری چھوچھو

سناؤ نہ اپنی یہ بولی کہار رہ
تم کچھ انا جی بلی آسی ہو

کھیلتے مجھ سے جو تجیسی ہو
جگت استاد ہیں لو میں تجھے پہچان گئی

مت ستا مجھ کو دوگانا تیرے قربان گئی
اس میں کیا مجھے کہانا یہ دم خوک ہے دالی

اب تو کہا کیا تجھے دکھلاتی ہے
آج سا حق ہے میرے گھر سے بہر جاتی ہے

کھا گئی لو وہ چیرا کہ یہ قلالی ہنڈی
جتنی بڑی دوا میری انگلی کی پور کے

منہ سے نکلے ہے نری ہر دم بلا کس واسطے
منہ چڑھا آ ہے موا انشا جیا کس واسطے

کیوں چھوڑ دیا میں بلی گھلی اور بڑا الا نکلا آج
تیرے صدقے ہو کے میں جاؤں جی بہار کر

سر کو کہتی ہو میں ہٹ جا بلند آواز سے
تو وہیں زہر کی پڑیا کو دوا کھا تک

رباعی

بس حسن چکی لو جی بس جی چپکے ہی رہو — اب کچھ نہ کہو جی بس جی چپکے ہی رہو
مجھ سے جیتے ہو تم مجھے ہے معلوم — بس چپکے رہو جی بس جی چپکے ہی رہو

رنگیں سے لیا تھا میں نے رو کر چھلا — دکھلاؤنگی کیا اسے کھو کر چھلا
پاؤں جو وہ چھلا تو دو ابھیک دوں — منت کا اٹھاتی ہوں دھو کر چھلا

قطعہ

رنگین دیکھ تو عشق میں اپنے — تو نے مجھ کو کتنا پیسا
میں نے اب پہچانا تجھ کو — تو ہے ایک ارے چھتیسا

رات دن میں یہی کہتی ہوں کہ یاں — جس نے رنگیں کا کیا آنا بند
پانی پی پی کے یہ کوسوں گی اسے — ہووے یارب وہ زمیں کا پیوند

زبس ہے ریختی ایجاد رنگین — اسی خاطر کہا کرتا تھا اکثر
سو انشا بھی اب کہنے لگا ہے — جو خوش اس ریختی کے بھی ہوئے ہم

(دیوان رنگین و انشا)

رونق

سید محمد محسن نام، تکیہ ضلع رائے بریلی وطن، عبد الباری آسی الدنی سے تلمذ ہے۔ زمانۂ حال کے ریختی گو شاعر ہیں۔

لو وہ آتی ہے لو اماں کی بھٹکالی ہوئی
ہائے دَیا کیا کروں میری تو رسوائی ہوئی

اسے لو ایں کیا کروں شادی رچن چلیے
میری جوتی سے جو وہ پھرتی ہے گدرائی ہوئی

اسے ذرا چلے تو بیٹھو کوئی دیکھے گا اگر
رکھی رہ جائیگی یہ ڈولا بھی تو رسوائی ہوئی

دلہا بھائی آرہے ہیں لکھنؤ سے شام کو
باجی آج آیا ہیں کچھ جھینکی سی شرمائی ہوئی

شیریں سے کہنے لگے فرہاد جیا ایک دن
یہ تو بتلاؤ کہ کیوں پھرتی ہو شتائی ہوئی

(خندۂ گل ص ۳۴۴ و ص ۳۴۵)

رنجور عظیم آبادی

کسی عظیم آباد کے رنجور مرحوم کی ایک ریختی غزل نیرنگ خیال نومبر ۱۹۲۹ء میں طبع ہوئی ہے یہ کوئی اپ ٹو ڈیٹ ریختی گو ہو گئے ہیں۔ کلام اچھا ہے احالات معلوم نہ ہو سکے۔

غرض سر سے لگانے سے نہ مطلب پان کھانے سے — ہوئی خاصی فرنگن اختری تعلیم پانے سے

ہوا ! فرصت نہیں ہے تجھ کو مہندی کے لگانے سے — انہیں کے واسطے میں ہوں ہی سارنگ بجانے سے

بہن بازاری کیوں اگر آٹا منگاتی ہو — تمہیں درکار جو ہو لو ہماری مودی خانے سے

زلیخا کی طرح کیوں مول لو اک درد سر باجی — کوئی یوسف سہی ہے باز آئی دل لگانے سے

عوض پاجامہ و شلوار کے مس گون کیوں پہنو — مجھے کیا نفع انگلش لیڈیوں کا ستر چھپانے سے

نہ بابا میں انہیں بیٹی دوں گی کچھ بھی ہو جائے — پناہ اللہ کی اقبال مرزا کے گھرانے سے

کہاں ممکن کہ بی بی تو وہ نظروں سے جدا ہوں — وہ دیکھو آ رہی ہیں پیارے مرزا زچہ خانے سے

دیا جب بے مروت سوکن پیرا ماجی کو — تو اب کیا فائدہ آ صغری کے آنسو بہانے سے

بجا ہی تم نے اس قحبہ کو دیکھا بھی نہیں اب تک — ہٹو کیا فائدہ بیکار بھی باتیں بنانے سے

کسی کی نوج آئے ایسی صحرمی ہو پیدا ایسا — اسے ہی کام روز و شب بس آنسو ہی بہانے سے

میاں رنجور یوں سو بار آئیں اپنی مرضی سے
مگر ممکن نہیں آیا کہ وہ آئیں بلانے سے

(نیرنگ خیال، لاہور، نومبر ۱۹۲۹ء ص ۵۴)

راحت

کوئی دہلی کے باشندہ تھے ریختی خوب کہتے تھے حالات مل نہ سکے۔

جب سے وہ بانکا سجیلا دل کو ہے بھایا ہوا — انگ لگتا ہی نہیں گوئیاں مرا کھایا ہوا

میں اپنی ایڑی چوٹی پہ صدقے کروں اسے — یہ مردوا انگوڑا تو لٹھ ہے گنوار کا

روؤگی تم تو وہ آجائیگا بیٹا پھر ابھی — تم جو چپکی ہو رہی ہو آکے ہوا پھر گیا

دودھ لینے کا ارادہ تھا جو دوڑا یا نہ تھا ہاتھ — تو چلی انگیا مری دیکھو ہو تم بندر کی بات
جورو بیٹی ماں بہن کا کچھ نہیں کرتی خیال — گھر میں آکر صاف کہہ بیٹھے ہو تم باہر کی بات
گونگی بہری کب تلک لوگو بنی بیٹھی رہوں — نند کی باتیں سنوں ہی یا کہیں دیور کی بات

پوتی پوتوں والی ہو کر لال جوڑا پہنوں میں — تجھ کو تو بھی یہ بڈھا چونچلا بھاتا نہیں

لحاظ آیا کسی کا نہ تجھ کو عصمت جان — غلام سے گئی بگڑی جنم میں تو تیری

کہلا تو پوتا ہوئی پوری آرزو تیری — دوگانا چاند سا بیٹا جنی بہو تیری

(خمخانۂ جاوید جلد سوم صفحہ ۳۱۳

صاحبقران

امام علی نام، سید غلام حسین رضوی کے بیٹے، بلگرام کے متوطن تھے، جرأت اور انشا کے ہمعصر، ریختی، ہزل، ظریفانہ، ہر رنگ میں کہتے تھے، صاحب دیوان تھے۔ آخر عمر میں لکھنؤ جا کر آصف الدولہ کے ملازم ہو گئے تھے۔

یہ اور چال سیکھی ہے کملو نے ان دنوں　　بازی جو دیکھی مات پیادہ بدل لیا

سنا کہ چکلے میں کہتی تھی ہر جوان سے یہ　　زمانہ چاہا کیا جب تلک جمال رہا

دمِ سیدم لڑتی ہے کشتی مجھ سے جو خم ٹھونک کر　　ریجھ والا کیا کوئی تعلیم مجھ کو کر گیا

چھپکے جو کرتی تھی اس کو برملا کرنے لگی　　خوش ہوئی ہے تب اب اُس پاس سے شوہر گیا

آج صاحبقران کی آمد ہے　　چوکیوں پر بچھاؤ غالیچا

جوبن کو نورن کے یارو شتاب لوٹو　　آئی ہے حج یہ کر کے دو رہ ثواب لوٹو

سنتے ہیں میکدے سے نورن چلی ہے حج کو　　اب تو سو چوہے کھا کے بلی چلی ہے حج کو

چتون غضب ہے نہتی کی ہے نے شنال آنکھ　　چھوٹے سے سن میں اُس کی بڑی ہے چھنال آنکھ

کملو مجلس سے کولے ٹھلتی ہے　　میری چھاتی پہ مونگ دلتی ہے

جو پوچھا کہ صاحبقران سے ہے واقف　　تو بولی کہ ایسے کو جانا نہ جانا

کانوں کی اپنے بالی او میری بھولی بھالی　　ہاتھوں سے کیوں چھپا لی او میری بھولی بھالی

باریک ساڑ دوپٹہ لازم ہے گرمیوں میں　　اوڑھا نہ کر نہالی او میری بھولی بھالی

جو دیکھتا ہے سر کو تیرے پہ مارتا ہے　　ہونٹوں کی تیری لالی او میری بھولی بھالی

رات کہتی تھی گنا بخشی سے　　دل چرا صاحبقران کا پھیرا

(نقوش منتخب ص ۹۴، سخن شعرا ص ۲۴۳، طبقات الشعرا ہند ص ۳۷۲، تذکرۂ کاملہ ص ۲۹۵ تا ۳۰۱)

عاشق

میر یحییٰ نام، عاشق تخلص، مخاطب بہ نوازش علی خاں منصبدار
متوطن برہان پور۔ ان کے اشعار میں بعض ریختی نما شعر موجود ہیں۔

میں کہا تیرے بدن پر کیا ہلی لگتی ہے راکھ
ہنس کہا جوگی پسر نے خاک لگتی ہے بھلی

تیل کھا کھا کہ ہو رہی کیسی
دیکھو تیلن کو کیا بلی ہیکی

محوش لگا لیٹنا سنارن کا
جس کے سونے میں تیرہ بانی ہے

سلونے سجن تیرے کوچے منے
شب و روز عشاق کا شور ہے

دیکھ "دکھوکر" پٹھان کا لڑکا
صبر اور ہوش کھو کر آیا ہے

رزالا یار جب بولا میرا آنا رو بیٹے پری
تو ہم بولے کہ منہ دیکھو پیٹے کے لیے آئی ہیں

(چمنستان شعرا قلمی، تذکرۂ فتح علی گردیزی قلمی)
(رسالۂ تجلی بابت اکتوبر ص ۲۸ و ص ۶۹)
(رسالۂ معارف بابت فروری ۱۹۲۸ء ص ۱۲۴)

عنقا بیگم

محمد محسن خاں نام محسن اور عنقا بیگم تخلص خان پور ریاست بہاولپور پنجاب کے متوطن اور لکھنؤ میں رہتے تھے۔ اب ریٹائر ہو کر لکھنؤ سے وطن جا رہے ہیں۔ ریختی میں خاصی مہارت ہے ایک دیوان بھی طبع ہوا ہے جس کے دیباچہ میں جان صاحب سے اپنے کلام کا موازنہ کیا ہے، لکھنؤ اور دہلی دونوں شہروں کے محاورات استعمال کرتے ہیں، فواحشات سے ایک حد تک اجتناب کرتے ہیں۔ جان صاحب کی غزلوں پر غزلیں کہی ہیں۔ مگر وہ بات کہاں ہے!

ہو تا بسم اللہ سے آغاز ہے دیوان کا
راز سر بستہ ہے وہ باجی در قرآن کا

ابن مریم تھا تمنا خواں باعث قرآن کا
کیوں نہ ہو قرآن پہ قربان دل انسان کا

پہلے نفرت تھی پہ اب اس سے الفت ہو گئی
ہو گیا یوسف بھی شیدائی زلیخا جان کا

رہنمائے راہ حق گوئیاں فقط قرآن ہے
ہادی کامل ہے وہ اسلام کے ایمان کا

اسلئے عیسائی و موسائی ہیں شیدا محسن
ذکر ہے انجیل میں توریت میں قرآن کا

چشم یکتائی سے دیکھو تم اگر جھیلی اسے
خالق اکبر ہی مطلب رام اور بھگوان کا

سراپا عصمت ہیں اور حیا ہیں ہے شرم باجی شعار اپنا
وہ بھڑوا ننگا ہی مسخرا ہی بنائیں ہم نوج یار اپنا

ہے پائے بناری کا ہی وہ لٹکا پھرے گا بھڑوا وہ کھٹکا کھٹکا
نہیں نگوڑے کا کچھ بھی کھٹکا ہو کوئی دشمن ہزار اپنا

لیگا پھر کب یہ وار گوئیاں وہ تیغ ابرو کی دھار گوئیاں
گرے نگوڑا سوار گوئیاں نہ چھوڑ داری شکار اپنا

بگاڑوں گی میں بھی حال گھر کا وہ ڈالیں مجھ پہ وبال گھر کا
کھلائیں رنڈی کو مال گھر کا نکالیں مجھ پہ غبار اپنا

ہے آنے ڈولی کھلا ہوا بی، اما ہم پاڑہ ہی کربلا بھی
نگوڑے لڑتے ہیں کیوں بوا جی حساب کر لیں کہار اپنا

پھر گیا طبلہ بجانے آج گوہر جان کا
کیا ٹھنگا ہے نگوڑا باپ جینا رچھان [?] کا

خاک لگائیگا نگوڑا شیخ اپنی بزم میں
جانتا کچھ بھی نہیں ٹھیکا جو اپنی تان کا

جانتی ہیں یا نہ کچھ دولہا بیا جگانے کی خاک [?]
خاک نکلے حوصلہ پھر حسرت و ارمان کا

پاندان کھڑکے کی مریا ٹانگی آج ہیں
سوت کا بھیجا ہوا کھایا جو بیڑا پان کا

کیوں نہ رنجیدہ ہو محسن دو مہینے سے بوا
خط نہیں لاہور سے آیا الہی جان کا

عجب بلا میں پھنسی ہوں گوئیاں میں اس نگوڑی سے دل لگا کر
یہ دونوں پھوٹیں جو آج سوئی ہوں میں پلک سے پلک لگا کر
کہاں ہیں ایام حیدری کے پڑی ہے گھر میں وہ شیخ جی کے
بلائیں گے ہم چراغ گھی کے ضرور مسجد میں آج جا کر

بلا کی شوخی زبان میں ہے ستم کا جادو بیان میں ہے
وہ سوہنی آن بان میں ہے کہ مار ڈالا لبھا لبھا کر

لگائے کیا کیا وزیر بیگم نگاہ خونی کے تیر بیگم
بنایا دل کو اسیر بیگم کمان ابرو چڑھا چڑھا کر

بگاڑتی کیوں ہے اپنا جوبن ہے چند روزہ ہوائے گلشن
نہ سرمہ مسی نہ پان ساقن ارے دوانی خدا خدا کر

نہ دل ہو کیوں کر کباب شب بھر شباب ہم کو عذاب شب بھر
پلاتی ہیں وہ شراب شب بھر سوئی چبھا لیں بلا بلا کر

بہار گلشن عیاں ہے اس میں ادائے بلبل نہاں ہے اس میں
وہ عقدہ بیگم زبان ہے اس میں کہ مار ڈالا لبھا لبھا کر

وہ الٹے الٹے سبق پڑھائے کہ مار ڈالا جلا جلا کر
بگاڑا کسی نے ان کو یا جی سکھا سکھا کر سکھا سکھا کر

بوا بیگم ہے لکھنؤ کی بڑی ہے دھوم اسکی گفتگو کی
ذرا جو آنکھ اس سے دو بدو کی تو اس نے مارا جلا جلا کر

سگھڑ سیانی تو ہو کے جانی خراب کرتی ہے زندگانی
جوانی ہوتی تو ہے دیوانی مگر نہ یوں شرم بھول کھا کر

کہاں سے لائیگا دم ہوا وہ بڑا ہی دمساز ہی ہوا وہ
سراپا سلفہ ہوا ہوا وہ چرس تمباکو اڑا اڑا کر

ہے دل میں حسرت کمال گوہر ہوں عاشق خستہ گوہر
ہوئی ہوں غم سے نڈھال گوہر دکھا دو گوئیاں جمال گوہر
حسین کیسی ہیں جوان بھی ہیں حسین پہ شاہی نشان بھی ہیں
ادائیں بانکی ہیں آن بھی ہیں وہ اری ان کو نہ ٹال گوہر
موئی نے پہلے کیا تھا ڈھیٹی جو چھوٹا ڈھیٹی تو نج سے لیٹی
کسی سے جیٹھی کسی سے چھیٹی برا ہے نیلم کا حال گوہر

جائے گا شیخ نگوڑا ہوا سیدھا ہو کر
شوخیاں کرتا ہے مجھ سے بوا کٹنا ہو کر
کر لی مغلانی کی سبھی چیز جو کری رسوا ہو کر
باز آتا نہیں دولہا میرا بوڑھا ہو کر
یہ رسیلا یہ رنگیلا یہ سجیلا ہو کر
پھولکی والی پہ وہ مرتا ہے مرزا ہو کر
کیا کہوں کوکلا بیگم کی کہانی گوئیاں
پڑ گئی زاغ کے بس میں موئی عنقا ہو کر

پڑی نگوڑی چمار کے بس کمہار کے بس کہار کے بس
بچائے واحد ہزار کے بس نگر یہ ہر جا لبار کے بس
اڑی یہ چاچا کے دس میں بیگم مرینگے بیٹے کی ہوس میں بیگم
نہیں نشان ان کے بس میں بیگم وہ ہیں نگوڑی حمار کے بس
ہوا تھا گوہر سے کچھ جھگڑا کا ہے خام پارہ بڑی لڑاکا
کوئی نہ بندہ ہوا خدا کا ہوا کسی بے شرم نار کے بس

ہوں نوج عیار یار ایسے نگوڑے بھک منگے شیخ جیسے
نہ نکلے ڈولی کے چار بیسے پڑی ظہور آ کہار کے بس
نہ آئی چمپا کلی نہ مالا ہے کب سے چھینٹ نگوڑی خالہ
ہمارا زیور تہاشا ئی ڈالا ہو نوج کوئی سنار کے بس

لگی ہے تن کے چمن میں باجی یہ کس شمع رو کی پیاری آتش
وہ سلگی رہ رہ کے ہجر کی شب بنی ہیں ساری کی ساری آتش
وہ اٹھتا جوبن چڑھی جوانی ہوئی وہ مستانی اور دوانی
بلا کے جوشوں پہ ہے بیٹھانی غضب کی رکھتی ہے ناری آتش
چڑھی حرارت جو کھا کے انڈے بلا یا کسبی کو کر کے گنڈے
لگا کے تن میں ہوئے جو ٹھنڈے تو مرزا جی کی سدھارا آتش

کریگا خاک سو ابے وفا وفا کا لحاظ
نہ بوڑھی اماں کی جسکو ہوا التجا کا لحاظ
کوئی تو بات ہے دولہا بشرم کی باجی
جو کرتے رات کو دلہن سے ہیں بلا کا لحاظ
کریگا خاک ہمارا انکھ اور ناک کی شرم
نہ جس کی آنکھ میں مطلق ہوا شنا کا لحاظ
نہ چھوڑ دامن شبیر خدا ابو اعتقا
کریں گے آپ وہ مشکل کشا دعا کا لحاظ
زنڈی نگوڑی کی ہی فقط گھات کا لحاظ
دلن کا لحاظ ہے نہ انہیں رات کا لحاظ
اوئی باجی کوئی نوج کرے ایسے فعل بد
تعویذ گنڈے سحر کرامات کا لحاظ

پینے میں فصل گل کی رعایت بھی ہی ہوا　　ٹھنڈی ہوا کا موسم برسات کا لحاظ
مانا کہ پردہ والی سے کچھ بات ہی نہیں　　کیوں بات بات پر ہے سماعت کا لحاظ
افسوس تو یہی ہے کہ عنقا ہوا نہیں　　محسن نگوڑے مارے کی کچھ بات کا لحاظ

دولہا بھائی گر پڑیں ٹھوکر لگے یا چوٹ آئے
کیوں نہیں رکھتی ہو دولہن تم پیش جلیں چراغ

دکھاؤں تن من گھڑی نہ ہوں نگھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے
ہے چند روزہ یہ حسن و جوبن گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے
فراز کہتا نشیب کا ہے ہوا یہ عالم فریب کا ہے
صدا ہے گھڑیال کی یہ ٹھن ٹھن گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے

بات تو شیریں کی رکھلی تھی ہزاروں میں ہوا　　گو بلا سے پھٹ گیا سر بھی سیاں فرہاد کا
روٹی ممکن نہیں بھڑوے سے تو کیڑا کیسا　　چھوڑ دو بگڑے سے کواری لڑکا جھگڑا کیسا
شوق سے آئیں وہ جب چاہیں تکلف کیا ہے　　دولہا بھائی سے مجھے آپکو پردہ کیا ہے
ہو گئی بیخود شرابی یاد آیا　　ارنی لینا ہوا گوبر جلا یا دل
مجھے بیوجہ بھڑوا مارتا ہے　　بڑا بیدرد سیرا مردوا ہے
دل اسکی تیغ ابرو پر فدا ہے　　وہ گورا لونڈا جو کپتان کا ہے

(تذکرہ تبسم گل صـ ۸۵ تا صـ ۹۳ تذکرہ خندۂ گل صـ ۳۷۹، ۳۸۳)

کوئی گمنام ریختی گو تھے، مگر خوب کہتے تھے۔

خدا نے دی ہے کیا طاقت بوا ان نوجوانوں میں
تیرے سر کی قسم ہوتی ہے کل سے ٹیس رانوں میں
تجھے اپنی پڑی ہے میں مری جاتی ہوں چل ہٹ بھی
موئے سنتا نہیں کیا تیل ڈال آیا ہے کانوں میں
حسیں بھی ہیں کڑے بھی ہیں مگر کچھ خوش ہوتی ہیں
یہاں تک عیب ہے عشرت یہ کابل کے پٹھانوں میں

رخندۂ گل صـ ۳۳۲

عصمت

امجد علیخاں نام حسین علیخاں لکھنوی شاگرد محمد علیخاں مسیحا کے فرزند ریختی عمدہ کہتے تھے، عصمت اور بیگم سے لکھنؤ میں مقابلے رہے ہیں انکی صحبت میں ہدایت بھی رہا کرتے تھے۔

جو کسی میں دیکھ چکی منہ ہزار کے — بیٹھے گی کب بھروسے پہ وہ ایکبار کے
بی اتم نے کیا کنوار پنے میں چبائی پان — مسّی سے دانت بن گئے دانے انار کے
نرگس کی چھوکری کا وہ دیدہ ہوائی ہے — گردن کو سارا دیدیا گہنا اتار کے

نتیجہ اسے بوا اچھا نہیں مردوں کی صحبت کا — کھلے گا تو نہینے بعد گل اس عیش و عشرت کا
نلیتی نام تک ہرگز نکھٹو کا کبھی ماما — مگر کچھ پاس ہے مجھ کو بڑے بوڑھوں کی عزت کا
نگوڑی شیخ نے پہر آج افیون لیکے کھائی ہے — میں ڈرتی ہوں بوا پھر سامنا ہوگا قیامت کا
تیری خاطر سے گھر سے دن ہاڑے آتی ہوں ورنہ — کسی نے آج تک آنچل نہیں دیکھا ہے عصمت کا

(سخن شعرا ص ۳۳۲)
(خندۂ گل ص ۳۳۲ و ص ۳۳۳)

فنا

شیخ باقر نام، کالپی وطن، حافظ تخلص، مولوی عبدالکریم خاں، مولوی محمد مظہر وصل وغیرہ کئی ایک اساتذہ سے مشورہ کرتے تھے۔ ریختی کا بھی شوق تھا۔ ترتیب تذکرہ سخن شعراء کے وقت کلکتہ میں تجارت کرتے تھے۔ اور مولف تذکرہ سخن شعراء کے ملاقاتی تھے۔

وہ درِ نایاب پہنے ہے جو سمن آجکل ۔۔۔ ہار گوہر سے لٹکتی ہے کلائی بار بار

اشرفی خانم کہونگی جا کے کندن لال سے ۔۔۔ کل روپے سونا کو سنگر لا کر دیئے ٹکسال سے

(سخن شعراء ص ۳۷۲)
(خندۂ گل ص ۳۴۳)

قیس

"محمد صدیق قیس ہمشیرزادۂ شیر محمد خاں ایمان تخلص، شعر نازک و"
"دلپسند بوضع خواجہ میر درد و میر تقی میر میگوید و مضامین دلچسپ"
"نو بنو رنگا رنگ می آرد از نزد مہاراجہ[1] بہادر دو روپیہ یومیہ و از"
"نزد امیر کبیر[2] دو روپیہ یومیہ روزمی یابد نہایت مرد خلیق خوش فکر"
"دریں دلا بمذاق کم کسے میرسد .... صاحب دیوان"
"است کہ نام دیوان خود "پیشکار" داشتہ است"

(تاریخ گلزار آصفیہ صفحہ ۴۵۴، ۴۵۵)

" .... آپ کا اصلی وطن حیدرآباد دکن ہے آپ کی"
"بزرگ اکثر سرکار عالی نظام میں وقائع نگاری اور اخبار گوئی کی"
"خدمت پر سرفراز رہتے تھے چنانچہ آپ کے نانا محمد عاقل نائک خبریں کے"
"افسر تھے اور آپ کے ماموں شیر محمد خاں ایمان اعظم الامراء"
"ارسطو جاہ بہادر کے مصاحب تھے اور شعراء میں استاد الشعراء"
"مشہور تھے آپ نے نشو و نما کے بعد سن شباب میں بقدر ضرورت"
"فارسی عربی پڑھ کے تحریر و تقریر کی استعداد حاصل کی اور"
"موروثی وقائع نگاری و تاریخ دانی کا کمال پیدا کیا۔ شعر گوئی بھی"
"شروع کی، کلام کی اصلاح ماموئے بزرگ سے لیا کی ...."

[1] مہاراجہ چندو لعل بہادر پیشکار دکن، [2] شمس الامراء بہادر امیر کبیر۔ (تمکین)

"آپ نے ایک دیوان ریختی شاہ جہاں آباد کی بیگمات کی بول چال میں"
"لکھا ہے فقیر مولف کو آپ کا دیوان ملا تھا....... آخر ۱۲۳۳ھ میں"
"جاں بحق ہوئے"

(تذکرۂ شعرائے دکن جلد دوم صفحہ ۹۴۱، ۹۴۲)

قیس کے کلیات میں (۱۴۱) سطری مسطر کے (۴۴) صفحات ریختی کے بھی موجود ہیں جس کے آغاز پر لکھا ہے۔

"منتخب دیوان ریختی قیس محاورۂ بیگمات شوخ محل بادشاہی شاہجہاں آباد"

معلوم ہوتا ہے کہ قیس نے ریختی میں دیوان مکمل کر لیا تھا اور یہ کلام اس دیوان کا انتخاب ہے۔ قیس کی اکثر ریختیاں رنگین کی ریختیوں کے قافیہ اور ردیف میں ہیں۔ ایک دکھنی شاعر کا جسے کبھی دہلی کی صورت نہ دیکھی ہو اس بے تکلفی سے "بیگماتی اردو" کا استعمال کرنا نہ صرف حیرت انگیز بلکہ تعجب خیز بھی ہے۔ قیس نے دلی کے محاوروں کے ساتھ ساتھ دکن کے زنانی محاورے بھی استعمال کئے ہیں، اور اس لطف کے ساتھ کہ دکنیت کا شبہ تک نہیں ہوتا۔

انتخاب کلام قیس

تو نے چڑیا وہ بنائی ہے کہ لبن لال اٹھو · تیرے ہاتھوں کے ہیں قربان گئی منلالی

اتنے کیوں سوتی لگائی اری نادان دوا · جھک گئے بوجھ سے موتی کے ترے کان دوا
ٹھیک ہیں سوہنڈ ہیں تو اس کرتی کے لیکن اتنا · تنگ ہوتا ہی گلے میں سے گریبان دوا

چھپا ٹکا تھا جس کے گریباں کے اوپر · کرتی وہ میری کیا ہوئی بیتائی جھیلا

لاڈ بازار[1] کو جاتی ہے تو صدقے تیرے · بھول مت یاد سے لے آئیو ڈوری انا

بوا لا دے ایسا طرحدار جوتا · جہلا بور کا کوئی دھواں دہار جوتا

کاہیکو بھنوں گی باجی میں تمہاری انگیا · ایک سے ایک میری پاس ہے بہاری انگیا
جس کی چڑیا کا وہ عالم تھا کہ اب اڑ جائے · میں نے باجی سے جو کل شرط میں لی ری انگیا
ٹوکیاں ڈھیلی ہیں اور تنگ ہے پھاڑ دیں دوا · اس طرح کوئی بھی سیتا ہے گنواری انگیا

کیا بنا لائی ہے منہیارن جھانی چوڑیاں · میں نہ پہنوں گی کبھی یہ آسمانی چوڑیاں
رہ گئیں دو چوڑیاں تو بد سگن ٹھنی ہے کیا · پہن کے چل ہاتھ ڈھیلا چھو جانی چوڑیاں

---

[1] حیدرآباد کے ایک بازار کا نام ہے۔ (تمکین)

قیس پر کرتے تھے فرمائش کہ لیلیٰ جوڑا اپنا — سبز سالو، ورنہ دھانی، آسمانی چوڑیاں
آگے پیچھے عاشق و معشوق کی گوٹھیں لگا — دھار پہ جھلا دھار کے کل اس میں لگی آتی چوڑیاں

ایک رکھی ہوں دوگانا وہ طرحدار اصیل — نوجواں پتلی سی گوری سی دلہن ہوادار اصیل
آٹھناول کے تہا آتی ہے تو تجھ بن سڑی — کتنی گندی ہماری دور ہو مردار اصیل

بخشنے والا ہے صاحب میرا اور بردہ الا — یہ تو کہتی نہیں میں نیک ہوں یا بدکار ہوں

میں کیا کرونگی لیکے تیری ہلکی اوڑھنی — لادے دوادہ مجھکو جھلا جھل کی اوڑھنی
چھپے کا اس پہ کام بنا کیا خوب ابھری — کوٹھے پہ جو لٹکتی تھی وہ کل کی اوڑھنی
شعلہ سا ایک آنکھ میں میرے چمک گیا۔ — سر پر سے اٹھے وہ جو کہیں ڈھلکی اوڑھنی

مجھ کو رخصت دے کے اب میرے گھر سے — لے کے نہیں اصیل آئی ہے

کل پاؤں میرے دابنے جو آئی جمیلا — نیند آ گئی تلوؤں کو جو سہلائی جمیلا

بی چاندنی سے کہدو ہو فرش کی تیاری — آئی ہے میرے گھر کو مہمان میری کوکا

ایسا نہو محل میں کوئی دیکھ لے مجھے — یا ندی کنارے بیٹھ کے دھولا ازاربند

راحت افزا ہے یہ کہیو اجی گلشن بُو بُو　　ہاتھ دھونے کو میرے لائیو بیسن بُو بُو
تکیہ چوں چوں کا تو زانو کے تلے دہر دینا　　بیٹھے مسند پہ جب آکر میری سمدھن بُو بُو

قطعہ

دوگانا تو کیا ہی کسو کے بھی آ گئے　　اری قیس کا کر نہ ذکور یا ندی
قسم ہے علی جی کی کہتی ہوں تجھ سے　　کرونگی تیری ہڈیاں چور باندی

دیگر

ہاتھ سے تیرے آدوانا کہ میں جان آگئی میری　　ایک دن ایسا کر اری زہر تو بھی کھلا مجھے
کاہیکو طعنے تہینے تو دیتی ہی اٹھتے بیٹھتے　　جینے سے جی تنگ ہے آتی نہیں قضا مجھے

رانڈ کے میرے پان بھی منگوائی جمیلا　　ٹکڑے ہوئی جاتی ہے زباں ہائے ری طلب کے

نل بھر گئے بیٹھے میں ہیں درد ہی جیٹھا　　ست جیٹھ میں ہوں ہائے ہیراں دوگانا

تیری گود میں تو میں کھیلی ہوئی ہوں　　میری بات کا ست پر امان آ جا!
اری قیس کیسے ہیں تو جاتی ہو گھر کو　　مرے ساتھ چل تو بھی مہمان آ جا!
غرض دیکھ کر تو بھی خوش ہو گئی ہیں　　عجب طور کا ہے وہ انسان آ جا!

ا۔ طعن تشنیع　۲۔ عادت　۳۔ ٹلے' (تمکین)

ہوتی ہوں تیرے پر سے قربان میری گوکا — منہ پر تو دوشالے کو مت تان میری گوکا

رسوائی کا سٹ اب یہ کھل جائے تو اچھا — باندی تو مرے گھر سے نکل جائے تو اچھا
میں آئی تھی میلے میں دوگانا سے خفا ہو — جی دو گھڑی ان سے بہل جائے تو اچھا
اتنا تجھے کیا ہو گیا چھاتی پہ لے کپڑا — اس بھیڑ میں چھاتی کوئی ملجائے تو اچھا

تم ہو پاگل چمکتی ہے بجلی — بیٹھو پردے میں جاؤ باجی جان!

دیکھ اتنا تجھے دیتی ہوں میں رکھ کی گنٹھو — چوک جاتی ہو میرے آگے لڑاتی گالیاں

کہدو یہ دوگانا سے میں شام کو آتی ہوں — کل پیر بلالے کی درگاہ کو جاتی ہوں

منہ پر تو جوانی کے ہو اب چوڑ نا جی! — پھرتی ہیں آنکھوں میں تیرے جوڑے نا جی!

کیا جانئے کیا ہوگی جوانی میری آفت — گوکا بھی میری ایک ہے ہولا رہے گوئیاں

کیا دھول دھار ہے پرکالۂ آتش آفت ہے — آگ لینے جو وہ آئی تھی پڑوسن لو بو

لہ نہ جانے یہ پیر بلالے کون تھے آج تک ہم نے کبھی نام نہیں سنا۔ (رنگین)

رات مجھے جگا جگا تو نے کیا ہے رت جگا ۔ اب بھی نہیں ہے جی بھرا سو دو گھڑی جگا مجھے

رات کو تھے یہ تیری دیکھ لی چوری اتنا ۔ کالی اوڑھنی پڑی ہے نیچے پٹی گوری اتنا!

لوگ سن لینگے ٹھہر جا کم بخت! ۔ بولتی میری چار پائی ہے

بعض جگہ کھلی ہوئی باتیں بھی کہی ہیں جو بیہودگی کی حد تک پہنچ گئی ہیں نمونتاً بعض مصرعے نقل کئے جاتے ہیں۔

خالی جو اڑاتی ہے بلبل تو لڑاتی ہے لب
کل کا تو ہے دن باقی یہ سوکن تہلاتی ہے
بن گیا پھول سمٹ غنچۂ سوسن لوبو

دیوان قیس قلمی کتب خانۂ آصفیہ ۱۶۹ و ۴۵۶ و دوادین اردو
تاریخ گلزار آصفیہ صفحہ ۵۴ ۔ تذکرۂ شعراء دکن جلد دوم صفحہ ۱۴۱
دکن میں اردو صفحہ ۱۲۹ ۔
رسالہ نگار بابتہ ماہ اگست ۱۹۲۹ء صفحہ ۶۵ تا ۷۱ ۔
رسالہ شاعر امروہہ بابتہ مارچ ۱۹۲۹ء ۔

قرم

ریختی گو شاعر تھے مگر حال معلوم نہ ہو سکا۔

کس نگوڑی کلموہی نے بددعا دی تھی اسے
شہر کی گلیوں میں قرم کا پتہ ملتا نہیں

کیا نحوست چھا گئی ہے اب زمانے پر مُوا
ڈھونڈھتی پھرتی ہوں کوئی مردوا ملتا نہیں

بیٹھ کر سوگ بہاؤ یا کہو مجھ کو بُرا
مجھ کو تو بیگم کوئی اب آشنا ملتا نہیں

ڈولی کے پیسے دینے پڑینگے سیاں ضرور
کیا گھورتے ہو تم مجھے آنکھیں نکال کے

مردوں کے سامنے نہیں آتے ہیں یوں مُوا
اوڑھا کرو ذرا تو دوپٹا سنبھال کے

مردوے بھی تو بہن نہیں ہنستی ہو جیسے
بیگم تمہیں بتاؤ کہ میں نہا کے کیا کروں

بیزار ہے سیری جو مرے گھر آ کے وہ
ٹوٹے چشم میں مردوے بچا کے کیا کروں

ذرا "نہا" اور "چشم" کے تلفظ پر غور کیجیے بالکل اسی طرح باندھا ہے جس طرح عورتیں بولتی ہیں۔

(تذکرہ مجمل ص ۳۴۵ و ص ۳۴۶)

لائق

نواب بدرالدین خاں بہادر نام، امیر جنگ امیر الدولہ خطاب لائق تخلص، شہامت جنگ امیر الدولہ ابن محمد طاہر خاں شہامت جنگ (اول) کے بیٹے تھے۔ آپ کے والد نواب امیر الدولہ بہادر ارسطو جاہ کے زمانہ میں خانساماں اور خدمت جواہر خانہ سے سرفراز تھے آخر میں موسیٰ شاہ قادری کے مرید ہو کر تارکِ لباس اور فقیر ہو گئے۔

نواب بدرالدین خاں بہادر لائق اپنے والد کے بعد موروثی خدمت اور نواب سکندر جاہ بہادر کی مصاحبت سے سرفراز ہوئے کوکٹ پلی، طاہر خاں پیٹھ، وغیرہ جاگیریں پائیں، منصب پنجہزاری تین ہزار سوار، علم، نقارہ، نوبت، پالکی جھالردار، سے سرفراز تھے، آپ کی سلیقہ شعاری بھی مشہور ہے، شادیوں، لنگر وغیرہ کے جلوس کی ترتیب وغیرہ میں آپ کو خاص ملکہ تھا۔ نہایت شریف المزاج، نفیس الطبع خوش اختلاط، پُر اخلاق، قدردانِ کمال تھے، نواب سکندر جاہ بہادر کے عہد میں ۱۸۰۳ء (۱۲۱۸ھ) سے ۱۸۲۹ء (۱۲۴۵ھ) تک زندہ تھے سنہ ولادت ہی معلوم ہو سکا اور نہ سنہ وفات کا پتہ چلا۔

کتب خانہ آصفیہ میں آپ کے دو قلمی دواوین موجود ہیں جن میں سے ایک کے آخر میں ایک ریختی بھی لکھی ہوئی ہے۔ زبان صاف اور

شست ہے:-

پاس میرے تو کسی ڈھب سے اسے لاری دوا
میں بلائیں تیری لیتی ہوں اری جاری دوا
ہائے ہائے کیا پیٹیا مجھے کھایا تو نے
وہ نہ مانے تو مجھے چوری سے لے جاری دوا
وہ نہ آئے تو قسم دیجیو میرے سر کی
اس کو مجھ پاس کسی ڈھب سے بنا لاری دوا
اس موے مائی ملے پر تو دو ہتڑ ماروں
یا کوئی اور جو تدبیر تو بتلا ری دوا
سینے سے سینہ ملا اس کے تو بوسے لے لوں
پاؤں میں پاؤں ملا عیش کروں پیاری دوا
کیا کہا کسنے کہا تیرے سے الائق نے شب
تجھ کو لو کھو کی قسم کہہ دے نہ شرماری دوا

(دیوان لائق مرجوعہ کتب خانہ آصفیہ ۹۰،۴۸،۵۶)
(تاریخ گلزار آصفیہ ص ۱۹۶،۱۹۵)۔
(دکن میں اُردو ص ۱۳۷،۱۳۶)

مخلوق

مولوی عبدالباری آسی الدنی نے اپنے تذکرہ خندۂ گل میں "تذکرہ خوش معرکہ" پٹنہ لائبریری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ میر احسان علی نام تھا۔ نواب تقی محمد خاں ترقی کے پاس قصہ گوئی پر ملازم تھے۔ میر خلیق کے چھوٹے بھائی اور میر انیس کے چچا تھے۔ آسی صاحب نے تذکرۂ انیس مولفۂ میر فدا علی خنجر سے ریختی کے دو شعر نقل کئے ہیں۔

لائے دوا دکھیو اب ہوگا نیا شر پیدا — لو زناخی نے کیا اور نیا گھر پیدا

مردوں کو ترس موئے نڈیوں کیوں نہیں ہوتا — ہیں مر گئی کمبخت اثر کیوں نہیں ہوتا

(خندۂ گل صفحہ ۳۴۵)

نکتہ چیں

کوئی نامہ نگار تھے وہ چیچ کے ظرافت کے ساتھ ساتھ ریختی کا بھی شوق تھا۔

اشرفی سے تو یوں نکاح ہوا — پر بندھا مہر ایک پائی کا

خدا کی مہربانی قبر میری سہیلی ہے — گھٹا چھائی ہے رحمت کی نوا فشد یلی ہے

یالی تھی ایک میں نے جو کتیا چلی گئی — مشہور یہ غلط ہے کہ قضا چلی گئی

(خندۂ گل صفحہ ۳۴۲ تا ۳۴۴)

نازنین

"غلط فہمان ادا شناس کی نظر میں تخلص ہے مرزا علی بیگ جوان خوش اسلوب"
"رستم زماں بزور قوت سہراب طاقت کا لخ" (گلستان سخن صابر ص ۴۴۴)

دلی کے رہنے والے تھے ذوق سے تلمذ تھا ۱۲۷۱ھ میں زندہ تھے بقول نساخ "جوان صاحب سے اچھی ریختی کہتے تھے" ذوق کی وفات پر ریختی میں قطعہ تاریخ کہی ہے۔

نہیں نازنیں رنج کرتی کسی کا — گیا جب سے یار اور حسرت ہے کھوئی
بلا سے کہوں شاد و دل کو تو اپنے — اگر میں نے کنبے کی عزت ڈبوئی
خصم جب سوا لونڈیوں کو رُلایا — کہ اس پردے میں نام رکھے نہ کوئی
ولیکن مجھے کاملوں سے ہے الفت — غم ذوق میں رات بھر میں نہ سوئی
لکھی اس کی تاریخ اور یہ ہوا غم — میاں ذوق کو میں بوا آپ روئی

نازنیں اتنا بھی ہے جالی پینا — یہ تمہارے آگیا کیا دھیان میں
روز ایک دہگڑے کی ہیں مہمانیاں — روز رہتی ہو اسی سامان میں

ہوئی عشاق میں مشہور یوسف سا جواں تاکا — بوا ہم عورتوں میں تھا بڑا دیدہ زلیخا کا
میں اپنے سر کو دھوتی ہوں بوا اور بیتا شاہی — ہوا بیٹھا ہی کیا خوش خوش کہ دن آیا نہانے کا

کوئی بیٹھا ہو تجھے ہی کام اپنے کام سے — اے نگوڑے آدمی بس تو تو حیوان ہو گیا

سونا کبھی شوہر کو میسر نہیں ہوتا — عورت! انہیں یا تو ہے تیرا گھر نہیں ہوتا

میری نماز کھوئی اس مردوے نے آکر — اٹھی تھی اے دوا میں کمبخت ابھی نہا کر

اے زنانخی مردوا ہے بدگماں — تو نہ کر باتیں ہمارے کان میں

رات بھر ہے وہی بات اور وہی چوما چاٹی — اے دوا ایسے بدیسی سے پڑا کام مجھے

فوّارہ کی طرح سے ذرا بھی نہ تھم سکے — تم ایک بوند پانی پہ کتنا اچھل پڑے

دس گھر تو چھٹ چکے ہیں کہاں تک خصم کروں — کسما بٹھائے دیکھیے اب آسماں مجھے

مجھے کہتے ہیں نہالی تو نے نا کا چھوٹے دیور کو — نہیں ڈر ینکی میں بھی ہاں نہیں تا کا تو اپنا کا

اگر اے نازنیں تو دبلی پتلی کامنی سی ہے — چھریرا سا بدن نامِ خدا تیرے دولہا کا

کیا جانے کیا کسبیوں میں شہد گھلا ہے — گھر والیوں سے تو خوش کوئی شوہر نہیں ہوتا

پڑی نہ ہو کہیں اس بد نظر کی تجھ پہ نگاہ ہوا مجھے تو تیرا دھیان بار بار آیا

یہ کل بگڑ گئی ہے رہتا نہیں حمل پھر بچپنائی میں تو آیا پہلا حمل گرا کر

پیار کرنے کی عبث مجھ پہ ہی تہمت باجی اس زمانے میں کسی کا بھی کوئی یار نہیں

تو ستندا ہے اور میں نازنیں کیونکر بنے صحبت موئی او جڑے نگوڑے لے تکلے چل دو رہو یاں سے

دن چڑھے ہے پر ابھی دلو چھپے ہی پڑا رہتا ہے سخت نظروں میں جٹھانی کے کیا خوار مجھے

ہمسائی آئی تھی ابھر کے گھر میں بنی ٹھنی انکو تو دیکھو رات اسی پر پھسل پڑے

ہو کر لہو لہان تو کچھ ڈر گئی تھی پر جو زخم تھے ہوا وہی دل کی دوا ہوئے

(گلستان سخن صابر ص ۴۴۴ تا ۴۴۸)

(قطعۂ منتخب ص ۶۴ و ۶۵)

(حدیث قدسی ص ۹۹)

(سخن شعراء ص ۴۹۰، ۴۹۱)

(طبقات الشعراء ص ۳۳۳)

مخمس بر غزل قدسی

لونڈی سو جان سے قربان گئی تجھ پہ نبی
اچھی مجھ نہیں بجھا دیکھو مری تشنہ لبی
تو ہے بندی کا وسیلہ دم حاجت طلبی
مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

عورتیں جمع تھیں یک جا پہ من اشناہم
وصف یوسف دہ لگیں کرنے زلیخا سے بہم
دیکھ تصویر تیری بولی یہ بی بی مریم
من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

کہا بابا آدم نے جو گیہوں ہوا اللہ خفا
بخشوائی تیرے صدقے گئی تو ہی تھا
دادی حوا نے بلائیں تیری لیکر یہ کہا
نسبتے نیست بذات تو بنی آدم را
برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

او جلا پھل دے کر مرا باغ جہاں ہے تری نام
اور گل حسن سے شوہر کا معطر ہو مشام
پھولتی پھلتی ہمیشہ ہو یہ اے عرش مقام
نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بشیریں رطبی

بی بی ہاں عورت نہ مجھے عقل ہے کچھ اور نہ شعور
نہ میں ہوں رابعہ بصری نہ میں ہوں بی بی نور
پر یہ سمجھی ہوں کہ ہے عزت تیری رب کو منظور
ذات پاک تو دریں ملک عرب کردہ ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بزبان عربی

جو نگوڑی کہوں راہ سے تیری برگشت
خاک اڑ جائیگی ہوئی حشر تلک دشت بدشت
واسطے تیرے ہیں ساری ہی جنت ہشت
شب معراج عروج تو ز افلاک گذشت

بمقامیکہ رسیدی نرسد ہیچ نبی

گو کہ ہم جنس کو اک نوع کی نسبت ہے بہم — پر میاں بیچ میں جو کہوں تو ہو بات میں کم
ترکا مادہ سے بڑا رتبہ ہے اے شاہِ امم — نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی

درد عصیاں سے جو تھی نازنین کو بیتابی — سر پہ آنچل وہ دوپٹہ کا دھرے روتی تھی
دیکھا اس دکھیا کا عالم تو اسے کچھ نہ بنی — سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

(حدیثِ قدسی ص ۹۹)
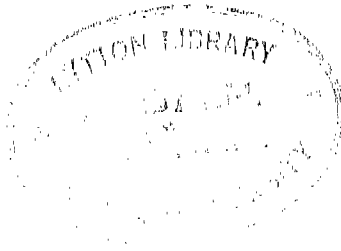
نازک

مؤلفِ تذکرہ خندۂ گل کے ملاقاتی ہیں ریختی کا شوق ہے لکھنؤ میں مقیم ہیں نام ظاہر نہیں کرنے دیتے۔

خدا بچائے بوا مردؤں کے دیدوں سے
کہ تاک جھانک لگاتے ہیں یہ ندیدے

کوساجی کو تو دیدے ہی نکلوا لونگی
سات لالوں میں یہی ایک ہا ہے بنّو

چار میں بیٹھ کے کیا آنکھ اُٹھائے کوئی
طاق بھرنے جو اکیلی چلی جائے کوئی
اُنگلیاں پھونک کے آنکھوں میں جگایا شب بھر
نوج نرگس کو بلا ساتھ سُلائے کوئی

میں نگوڑی کہیں آئی نہ گئی اے بنّو
پھر بھی لاکھوں مجھے الزام دئے جاتی ہیں

بیٹوں والی پوتوں والی
ہاتھوں میں چھلے کانوں میں بالی
دانتوں پہ مسی آنکھوں میں سرما
ماتھے پہ افشاں ہونٹوں پہ لالی
میں نے سب کو سمجھا ہے
سب ہیں میری دیکھی بھالی

(خندۂ گل ص ۲۱۴)

نسبت

میر احمد علی نام لکھنؤ کے مشہور ریختی گو تھے جان صاحب کے معاصر اور مخلص تھے جان صاحب نے اپنے دیوان میں بعض جگہ نسبت کا ذکر بھی کیا ہے ۔ صاحب دیوان تھے ۔

اے دوگانا وہ اگلی آنکھ نہیں ۔ مجھ سے تیری یہ پھر گئی ہے آنکھ
بل ہر اک شخص سے جو کرتی ہے ۔ کسی بانکے سے کیا لڑی ہے آنکھ

بیٹھے میں ہر کسی کے پاؤں کبھو دیتی ہو آکے خانم! ۔ بھلا ہی شوق ہے بی بی! تمہیں جھگڑا چکانے کا

شمع جلواؤ نگی میں چوراہے پر تیری لگی ندی ۔ جو بھلا چاہتی ہے کر میرا زیور پیدا

چھاتیاں کھولی جو در آتی چلی آتی ہو ۔ اجی بہنوئی ہے بیٹھا نہیں شرماتی ہو!

کیلے تو دیکھ کر میرا جی کلبلا اٹھا ۔ اے کاش کے نہ آتی میں اس آن باغ میں

(سخن شعرا، ناسخ ص ۵۱۸ ۔ خندۂ گل ص ۱۴۲۴، ۲۶، ۱۴)

ہاشمی

سید میراں نام، سید شاہ ہاشم کی پیروی یا مریدی کی وجہ ہاشمی تخلص کرنے لگے، بیجاپور وطن تھا، دیدۂ ظاہری بند تھے مگر لمحات عمر نہایت طویل ہوئی علی عادل شاہ کے درباری شاعر ہونے کا افتخار حاصل تھا ۱۰۸۸ھ میں یوسف زلیخا لکھی اور ۱۰۹۷ھ میں انتقال کیا۔ مثنوی یوسف زلیخا کے علاوہ

۱۔ احسن القصص (ترجمۂ روضۃ الشہداء)۔

۲۔ غزل کا دیوان۔

۳۔ ریختی کا دیوان (اس کا قلمی نسخہ پروفیسر آغا حیدر حسن دہلوی کے پاس موجود ہے)

۴۔ مرثیے (سنا جاتا ہے کہ ہاشمی نے بہت سے مرثیے کہے ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ اب تک دستیاب نہیں ہوئے۔)

(اردو شہ پارے جلد اول ص ۱۷۲)

"عربستان میں مرد عاشق زن ہے اکثر اشعار مرد کی زبان میں موزوں"
"کئے جاتے ہیں، ایران میں عاشق مرد مرد ہے، ہندوستان میں عورت"
"مرد کی عاشق ہے، چنانچہ ہندی اشعار یعنی کبت، دوہرہ و دیگر تصانیف"
"کے پڑھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے طرفہ یہ کہ قرآن مجید میں عورت"
"کی محبت مرد سے ذکر کی گئی ہے یعنی قصۂ یوسف زلیخا، چنانچہ ہاشم (ہاشمی)"
"بھی اسی طرح شعر کہا کرتا ہے۔ یعنی عورت کی طرف سے اظہار عشق"

"کرتا ہے۔"

(طبقات الشعراء ہند)

اور حالات کے لئے دیکھو:- ۱۔ چمنستان شعراء قلمی موجودہ کتب خانہ آصفیہ۔
۲۔ رسالہ تجلی حیدرآباد دکن بابتہ اکتوبر ۱۹۲۷ء ص ۶۰۔
۳۔ تذکرہ شعراء دکن جلد دوم ص ۱۲۰۲
۴۔ گل رعنا ——— ص ۲۷۔
۵۔ دکن میں اردو ——— ص ۴۴ تا ۴۶۔
اردوئے قدیم ——— ص ۷۹ تا ۸۱

انتخاب ریختی دیوان ہاشمی

"دوسرے بہت سے خیالوں کی طرح اب یہ خیال بھی غلط ہو گیا کہ ریختی"
"کی ابتدا انشاؔ ہی میں کی گئی ہاشمی کی ریختی اگرچہ اس نوع کی شاعری"
"کی ابتدائی کوششوں سے ہے لیکن اسقدر اعلیٰ درجہ کی ہے کہ کوئی"
"اس کو پہلی کوشش نہیں سمجھ سکتا اس کے ذریعہ سے قدیم دکن کی عورتوں کی"
"زبان محفوظ کر لی گئی ہے آخری غزل شاید نسائی فطرت کی بہترین"
"ترجمان ہے"

(اردو شہ پارے جلد اول صفحہ ۲۵۹ و صفحہ ۲۶)

بہوت روز وں سوں جیتا ہیں ملے دہن کس کنارے میں
کہا کیا جٹ لگالے کی بوری ہے جٹ تمہارے میں
چنچل توں ہاتھ پکڑی سو ہوسے ہے بخت تجھ غالب
عجب جھاکاٹ دستا ہے ہیرے جس کے ستارے میں
اُدھر من گولی گنڈی میں گئی ہو یا دہیں با تال
ہمیں تم مل کو بیٹھے تھے سکی جیدل دو ولارے میں
دو بارا گھر میں ہوتا گر پلنگ لیا لمبا ر لیا نا سو
انگن سے تب ملوں آکر تمہیں جب سو بارے میں
اے دوول دل بڑا کر توں ہوا اجڑیا چاندنی چندنا
کہ میں تحقیق آئی ہوں تجھے ملنے اندھارے میں

سکھی پھر کہی سنے گیاں ہو کہی گیا ہاشمی تجکوں
کرا وا سے شوخ کیسی خون رکھی ہو جیو نظارے ہیں

لالن کو جا سہیلی میرا سلام بولو! — یو عرض ہے ہمارا دل کا تمام بولو!
سچ مان اس نگالی تجھ نی بچھڑ تی رہی ہو — ان پالی سب تجی ہوں سئنا حرام بولو!
فاقہ درس کا پیار سینا اوپر پڑیا ہے — بھو کیاں کوں دے صوابی درس طعام بولو!
مجھ تن نگر کوں قابض پریت نے آکیا ہے — پھرتی ہوں جن سیاں نیں مجھ بن مقام بولو!
نسدن زبان میری جا گا گیا ہے آکر — شہد و شکر سوں میٹھا تیرا اچ نام بولو!
پھرتا سو آس تیرا یو تجھ سوں جیو دیکھ بچھڑا — ہو جیو بیاں غم سو روتا اچ شام بولو!
عرفاں کیاں کتاباں پڑنا سکھی پیا سوں تیتے — جب تے لگی ہوں پڑنے تیرا کلام بولو!
کیسی پریت پیاری ہمی دن تیہا رکھی ہو — کہتی ہوں دن رین یارب خاص عام بولو!
ان سوں کرو وفا لی اب بے وفا کو آتا — لائق نہیں تمہارا یو کوں کام بولو!

سچ بول ہاشمی توں عارف سمجھ کے بوجھے
لالن کو ان ملیں گے سو مجھ منگا م بولو!

جنے پکڑے ہیں کی چھوڑو او دیکھو ہانک ماروں گی
خدا کی سوں میں ہنستی ہوں تمہی بو کو پکاروں گی
جنے جھوٹ سوٹ باتاں کر بولا کر لیائے ہیں تمنا
میری بیزار ہیں تے لیے سو اس کشتی کو واروں گی
اسے کشتی میں تو سمجھی سنجھے کئی آ و وار می ہیں

سنگی کرتی ہوں چھوٹی بہا پنا بستاں سنوار وں گی
اودنے ہٹکی تو میں یوں کہی ایتا تو نلج ملسوں میں
صباح ملکر سہیلیاں کن یو باتاں سب بچاروں گی
تٹنا ہوئے ہا نک ٹارے پراتا او میں تجہہ جیب رہی ہوں
صباح کنٹھی کا سر سونڈکر سیرا یو دند ساروں گی
اوجڑ گئے کیا ظلم کرتا پڑوسی کوئی دیکھیں گے
منجے ٹک چھوڑ دے بارے جو پردا جاا تاروں گی
نکل جا ہا تھی توں تو خدا ستا رہے میرا
اگرچہ کوئی دیکھیں تو میں سوگند کہا جیاروں گی

سجن آویں تو پردے کے نکل کر بھار بیٹھوں گی
بہانا کر کے موتیاں کا پروتی ہار بیٹھوں گی
او تو یاں آ دکہیں گے تو کہوں گی کام کرتی ہوں
اٹھلتی اور ٹھہلتی جیب گھڑی دو چار بیٹھوں گی
نزیک ہیں ان کے جانے کو خوشی سوں شاد ہو لیں
ولے لوگاں ہیں دکھلانے کوں ہو بیزار بیٹھوں گی
پکڑ کر ہات پردے میں لیجا و ینگے تو میں کوں گی
گھونگھٹ میں لک چھپا کر کر مک میں ترکا مار بیٹھوں گی
بلایا جیو کا لے جیو میں پڑوں گی پاؤں دلسوں میں

دلے ظاہر میں دکھلانے کوں ہو اغیار بیٹھوں گی
کروں گی ظاہرا چپ میں غصہ ہور ہاں ہٹ لیکن
سیجن پر تے جیو اپنا یہ جیو میں وار بیٹھوں گی
سو لاویں گے تو نا سو سو او ٹھو نگی داتتے یوں کہکر
جیو خوں وا خوشی میری ہیں ہو ہوشیار بیٹھوں گی
سکنے کوں عیب کتی ہوں ہیں ولے ہیں دل میں گھٹ کا ہو
نزیک ہو ہاتھی سوں ملکو اٹھوں پیہار بیٹھوں گی

رضا گر مجھ کو دیتی ہو کروں گی گھر ہیں جا دار دو
اگر مجھ ہو نگی فرصت صبح پھر آدں گی چھوڑ دو
اگر کوئی آکے دیکھے گا تو دل میں کیا کہیگا جی
مجھے بدنام کرتے ہو کہیں نین جاؤں گی چھوڑ دو

زنانی محاوروں کی کوئی فرہنگ تیار کی جائے تو ایک ضخیم کتاب ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی صرف بیگماتی مصطلحات کو بھی ترتیب دیدے تو ایک خاصا ذخیرہ ہوگا مگر سردست ہمیں اس سے سروکار نہیں۔ اس تذکرے میں بعض اشعار میں جو محاورے اور الفاظ خاص خاص آگئے ہیں ان کی ایک مختصر فرہنگ تیار کی جاتی ہے تاکہ نہ سمجھنے والے اس سے مدد لے سکیں

بعض اشعار میں بیٹھک، پریوں کا طبق گونڈا، وغیرہ اور بعض شیطانوں کے نام آگئے ہیں جن کی تفصیل وقت ضائع کرنا ہے اس لئے یہیں مختصر حال لکھ دیا جاتا ہے۔

بیٹھک دینا کہتے ہیں پریوں وغیرہ کی حاضرات کرنے کو عورتیں بیڑ مانے ہوئے یا فرض کئے ہوئے دلی یا شیطان یا پری کی سواری فرض کرکے جمعرات کے دن ان میں سے کسی ایک کو اپنے سر پر بلاتی ہیں جس عورت کے سر پر شیطان یا پری آئے اس کے سامنے سب عورتیں اپنی اپنی حاجتیں منتیں، مرادیں، پیش کرتی ہیں۔ وہ عورت سر ہلا ہلا کر سائلہ کا جواب دیتی

اور سائلہ جواب سنکر نذر کا خرچ اٹھاتی اور بمقدور موافق خدمت بجالاتی ہے اس بیٹھک کے واسطے بڑے سامان کئے جاتے ہیں۔ تکلف فرش بچھایا جاتا ہے مکان خوشبو سے بسایا جاتا ہے۔ ڈومنیاں گاتی ہیں جس عورت کے سر پر کوئی آتا ہے وہ نہایت بن سنور کر دلہن بنکر چوکی پر بیٹھتی ہے اور گانے کی آواز سے مست ہو کر بکنے جھکنے لگتی ہے اور سائلہ کے سوالات کا من مانے جواب دیتی جاتی ہے۔

یہ رسم ہندوؤں سے بقدرے تصرف لی گئی ہے۔ نیچ ذات ہندوؤں میں اب تک عام ہے گو بیٹھک اب متروک ہو گئی ہے مگر غیر تعلیم یافتہ اور جاہل گھرانوں میں اب بھی ہوتی ہے۔ بد نصیبی سے مجھے بھی دو ایک دفعہ اس تماشے کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔

مفروضہ اولیا یا شیاطین کے نام یہ ہیں۔

(۱) شیخ سدو، (۲) میاں زین خاں، (۳) میاں صدر جہاں، (۴) پیر مٹیلے، (۵) ننھے میاں، (۶) چہل تن، (۷) میاں شاہ دریا، (۸) شاہ سکندر۔

اور ساتوں پریاں یہ ہیں۔

(۱) لال پری، (۲) سبز پری، (۳) سیاہ پری، (۴) زرد پری، (۵) دریا پری، (۶) آسمان پری، (۷) نوری پری،

جاہل عورتیں ان سب کو بہت مانتی ہیں میاں شاہ دریا وغیرہ اور ساتوں پریوں کے متعلق یہ کہتی ہیں کہ یہ سب بھائی بہن ہیں اور

جنت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتون جنت کی خدمت کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ شاہ دریا اور شاہ سکندر کو نوری شہزادہ بھی کہتے ہیں۔

رنگین نے ایک طویل قصیدہ بھی کہا ہے۔ جس میں ان پریوں اور شیطانوں کے فضائل و مناقب اور عورتوں کے اعتقادات ان کے متعلق دل کھول کر بیان کئے ہیں۔

الف

آچھا۔ بوڑھی ماما، اصیل، دائی وغیرہ قابلِ احترام بوڑھی۔

آتو۔ آتو۔ استانی۔ معلمہ۔

آپا۔ بڑی بہن۔

اندر والا۔ دل۔ جی۔ من۔ جیوڑا۔

انگیا۔ محرم۔ چولی۔ عورتوں کا سینہ بند۔

انّا۔ دودھ پلانے والی۔

اوپر والا۔ خدا۔ چاند۔

اصیل۔ ماما۔ خادمہ۔ روٹی پکانے والی۔

اُبٹنا۔ بیسن کی طرح کا چند ادویہ ملا ہوا آٹا جسے مل کر نہاتے ہیں۔

اترانا۔ گھمنڈ کرنا غرور کرنا۔

ایچھی۔ آپس میں خطاب کرتے وقت خوشامد اور پیار سے کہتی ہیں۔

ازاربند۔ ناڑا۔ کمربند۔

ب

بَتّو۔ کلمۂ مخاطب بمعنی بی بی۔

بُوبُو۔ بوڑھی کنیز، باپ کی خواہر وغیرہ۔

بھابی۔ بھاوج۔ بھائی کی بی بی۔

بےسن ۔ چنے کا آٹا ۔

بارہ بانی ۔ خالص ۔ کھرا ۔ بے میل ۔

باجی ۔ بڑی بہن یا کمسن ماں کو کہتی ہیں۔

بازو بند ۔ ایک قسم کا زیور جو بازو پر باندھا جاتا ہے۔

بتیسی ۔ بتیس مصالحہ ڈالکر بنایا ہوا حلوا جو زچگی کے بعد کھاتی ہیں۔

بالیاں ۔ کان کا زیور۔

بوا ۔ کلمۂ مخاطب بمعنی بہن۔

بڑی روٹی ۔ قرآن شریف۔

بچے نے پھیر لیا ہے ۔ زچگی کے وقت بچہ ٹیڑھا ہو جائے اور نہ نکلے تو کہتے ہیں۔

باندی ۔ چھوکری ۔ کنیز۔

بجلی ۔ کان کے ایک زیور کا نام ہے۔

بولی ۔ بیوقوف ۔ اُول جلول ۔ احمق ۔ گاودی۔

پ

پلپلی ٹھیکری ۔ اندام نہانی ۔ ناف کے نیچے کا حصہ۔

پھولام ۔ ایک قسم کا ریشمی کپڑا جس پر پھول ہوتے ہیں۔

پشت خار ۔ کسی دھات یا ہاتھی دانت کا پنجہ ہوتا جس سے پیٹھ کھجاتے ہیں۔

پنڈریاں ۔ تیس دواؤں کو کوٹ پیس کر لڈو بناکر جاڑے میں استعمال کرتی ہیں۔

پینس ۔ پالکی ایک قسم کی ڈولی۔

پچھاوے ۔ انگیا یا محرم کی آستینوں کے پاس کا کپڑا۔

ت

تماش بین ۔ عیاش زنڈی باز۔

رتہاجو ۔ وہ مرد جسنے تین شادیاں کی ہوں۔

تیور ۔ نظر ۔ آنکھ ۔

تیسوں کلام ۔ قرآن شریف ۔ تیسوں

ٹ

ٹسوے گہلانا یا ٹسوے بہانا - رونا دھونگ کرنا -

ٹوکیاں - کٹوریاں انگیا کا وہ حصہ جس میں چھاتیاں رہتی ہوں -

ٹنڈیاں کسوانا - مشکیں کسوانا -

ج

جوکہم - نقصان -

جگنو - کرم شب تاب، ایک قسم کا زیور -

جوشن - ایک قسم کا زیور - تعویذ -

جھلا جھل - بھڑک دار، زرق برق -

جھلا بور - بھڑک دار - زرق برق -

جیٹھانی - جیٹھ کی بیوی خاوند کے بڑے بھائی کی بیوی -

چ

چیلا - لکڑی کا شگفتہ یا ٹکڑا -

چھتیسی - چھتیسا - چالاک - عیار - مکار -

چولیس اکا سنا - زچگی کے وقت بچہ پھیرلے (اُڑجائے) تو دایہ تیل لگاکر پیٹ ملتی اور بچے کو خرج کی طرف رجوع کرتی ہے اسی کو چولیس اکا سنا کہتے ہیں -

چوڑیاں ٹھنڈی ہونا - چوڑیاں ٹوٹنا دکن میں چوڑیا بڑھنا کہتے ہیں -

چونڈے پہ کرم کرنا - احسان کرنا -

چمپاکلی - گلے کا ایک زیور جس کے دانے گلِ چمپا کی کلی کے سے ہوتے ہیں -

چھوچھو - دائی کھلائی -

چڑیا - انگیا کا وہ سیون جس سے دو تو کٹوریاں ملی رہتی ہیں -

چوں چوں کا تکیہ - وہ تکیہ جس کے دبنے سے چوں چوں کی آواز نکلے -

چارپائی بولتی ہے - چارپائی آواز دیتی ہے -

ح

حُوش ۔ وحشی ۔ جنگلی

خ

خصم ۔ شوہر ۔ خاوند ۔

خاتونِ قیامت ۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۔

د

دوگانا ۔ عورتیں آپس میں بادام کھا کر یہ رشتہ جوڑتی ہیں ۔

دُوہاجُو ۔ وہ مرد جس نے دو جورویں کیں ہوں ۔

ددا ۔ کھلائی ۔

دَیّا ۔ دائی ۔

دیدے کا پانی مرنا ۔ بے شرم بے حیا ہونا لحاظ نہ رکھنا ۔

دیور ۔ شوہر کا بھائی (چھوٹا)

دھواں دھار ۔ آفت ۔ غضب ۔ انتہائی شوخ ۔

ڈولی ۔ پردہ دار زنانہ سواری جسے آدمی اُٹھاتے ہیں ۔

ڈُومنی ۔ میراثن ۔ پیشہ ور گانیوالی

ر

رَونّا ۔ وہ ملازم جو محلات میں باہر کے کام کاج کے لئے نوکر ہو ۔

رَت جگا ۔ خوشی میں رات بھر جاگنا شب بیداری ۔

رسّی ۔ عورتیں رات کو سانپ کا نام لینا بدشگونی سمجھتی ہیں ۔ اسی لئے ناسول یا رسی کہتی ہیں ۔

رُومال ہونا ۔ رومال ملنا جیسے دوپٹہ بدلا ہونا وغیرہ ۔

رو ٹی پہ بوٹی رکھ کے کھانا ۔ خلوت صحیح کرنا ۔

رال بہنا ۔ منہ میں پانی بھر آنا ۔

رہتی دنیا ۔ تاقیام دنیا ۔

ز

زناخی ۔ قلعہ کی عورتیں جب دوسری عورتوں سے رشتہ جوڑتی ہیں تو مختلف نام رکھ لیتی ہیں جیسے دوگانا ۔ زناخی ۔ الاچی وغیرہ

س

سادہ کار ۔ سنار

ست نجا ۔ سات قسم کے ملے ہوئے اناج ۔

سوت ۔ سوکن ۔

سر ڈھنکنا ۔ ازالۂ بکارت ہونا ۔ کنوارپنہ اُتارنا ۔

سمدھن ۔ دولہا دولہن کی مائیں آپس میں ایک دوسری کو سمدھن کہتی ہیں ۔

ش

شاخ نکالنا ۔ جھگڑا ۔ حجت ۔ تکرار پیدا کرنا ۔

ک

کپی ۔ وہ برتن جس میں تیل رکھا جاتا ہے ۔

کوکا ۔ دودھ شریک بھائی یا بہن ۔

کھرنڈ ۔ زخم کا انگور ۔

کھونڈرا ۔ گھونسلہ ۔ آشیانہ ۔

کھٹائی میں ڈال رکھنا ۔ روک رکھنا پڑے رہنے دینا ۔

کسالا ۔ حاملہ پیٹ سے رہنا یا ہونا ۔

کربلا ۔ وہ جگہ جہاں تعزیے ٹھنڈے کئے جاتے ہیں ۔

گ

گندہ پانی ۔ مادہ تولید ۔ منی ۔

گھوڑے پر سوار آنا ۔ جلد آکر جلدی جانے کا تقاضا کرنا ۔

گوئیاں ۔ سہیلی ۔ دوست ۔ کلمۂ مخاطبت ۔

گنڈے ۔ پیسے ۔ ریزگاری ۔

ل

لیرے ۔ چیتھڑے ۔ چیندیاں ۔

للو ۔ زبان ۔

لاگو - چاہنے والا ساتھ دینے والا -

لشکر والا - خصم - بادشاہ -

مُحرم - دیکھو انگیا -

میٹھ - وہ آٹا جو باورچی دم کے وقت دیگ کے منہ پر لگاتے ہیں -

میٹھا برس - آٹھواں سال -

مسوسنا - ضبط کرنا - دابنا

مان - گھمنڈ، غرور - نخوت -

ن

ناک چوٹی میں گرفتار ہونا - لئے دئے رہنا - اپنی عزت بچائے رہنا - محتاط رہنا -

نوج - کلمۂ دعا، نعوذ کا بگڑا ہوا ہے یعنی خدا نخواستہ دور پار -

نک سک سے درست - بے عیب عمدہ -

نٹ کھٹ - عیار مکار - دغاباز - شریر -

ھ

ہلبلی - جلدی -

ہیکل - ایک قسم کا زیور جو گلے میں پہنتے ہیں -

ہوائی دیدہ - شوخ - بے شرم - بے مروت -

ہزاری روزہ - ماہ رجب کی ستائیسویں تاریخ کا روزہ جس کا ثواب ہزار روزوں کے برابر خیال کیا جاتا ہے -

و

وقت پڑا ہے - مصیبت آئی ہے -

محمد شفیع الدین کاتب (کوہیری)

تذکرۂ خندۂ گل

مولفہ عبد الباری صاحب آسی الدنی۔ لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ معمولی ضخامت (۵۰۰) صفحات مطبوعہ نگار مشین پریس لکھنؤ اردو کے تقریباً کل ظریف شعراء کا کلام اور حالات بڑی کاوش سے جمع کئے گئے ہیں۔ تذکرہ کیا ہے زعفران زار ہے ہنستے اور سوتے ہو جائیے۔

قیمت ۔ للعہ کلدار

تذکرۂ تبسم گل

مولفہ ڈاکٹر شیخ عظمت الٰہی صاحب سلونوی ایڈیٹر جریدۂ دنیا لکھنؤ مطبوعہ عظمت پریس لکھنؤ لکھائی چھپائی دیدہ زیب کاغذ عمدہ صفحات (۱۱۲) اس میں (۲۳) ظریف شعراء کے حالات زندگی کلام کے عمدہ نمونے دئے گئے ہیں نہایت ہی عمدہ اور اپنے رنگ کا پہلا تذکرہ ہے۔ پڑھئے اور ہنستے جائیے۔ قیمت ۔ عہ کلدار۔

ملنے کا پتہ

مکتبۂ ابراہیمیہ امداد باہمی اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

رنگین اور انشا دونوں کی ریختیاں آپ نے تذکرے میں دیکھی ہونگی
ان دونوں کی ریختیوں کے دیوان ایک جگہ نظامی پریس بدایون نے
شائع کئے ہیں کتابت و طباعت میں نظامی پریس مخصوص ہے کاغذ بھی ہمیشہ
نہایت عمدہ ولایتی چکنا استعمال کیا جاتا ہے۔ شروع میں مصطلحات کی فرہنگ
بھی ہے جو رنگین ہی کی بنائی ہوئی ہے اور انہیں کا رنگین دیباچہ بھی ہے۔
قیمت ۔ عہ کلدار

ملنے کا پتہ

مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

ارنسٹ

آسکر وائیلڈ کے مشہور شاہکار "دی امپارٹنس آف بی انگ ارنسٹ"
کو ملک کے مشہور ادیب اور ممتاز انشاپرداز مولوی تمکین کاظمی اور مولوی سعیدی نے
نہایت ہی عمدگی سے اردو کا جامہ پہنایا ہے حتی الامکان مصنف کے طرز بیان
اور قدرت تخیل کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اور ایک حد تک کامیاب بھی
رہے ہیں۔

ادیب جلیل حضرت سلطان حیدر جوش (علیگ) ادیب شہیر حضرت
جوش ملیح آبادی ناظر دار الترجمہ حیدرآباد دکن اور امین مجتبیٰ صاحب صہبا
زبیری مارہروی (علیگ) اور خواجہ مسعود علی صاحب ذوقی بی اے (علیگ)
نے اس کتاب پر "پیش لفظ" "تعارف" وغیرہ لکھ کر ترجمہ کو اور اہم بنا دیا
ہے آسکر وائیلڈ اور تمکین و سعیدی صاحبان کے فوٹو بلاک بھی موجود ہیں

لکھائی، چھپائی عمدہ، کاغذ نفیس، پاکٹ سائز قیمت (عہ)

(ملنے کا پتہ)

مکتبہ ابراہیمیہ امداد باہمی اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

مطبوعہ شمس الاسلام پریس